نسیمِ حجاز

جگن ناتھ آزاد

ناشر:
محروم میموریل لٹریری سوسائٹی
نئی دھلی

RekhtaDownload.com

بیکراں

جگن ناتھ آزاد کا پہلا مجموعۂ کلام

جگن ناتھ آزاد کے مجموعۂ کلام کے مطالعہ سے مجھ پر ایک عجیب کیفیت گزری، میں نے یہ جانا یہ محسوس کیا کہ جیسے تاریخ کا چکر الٹا گھوم رہا ہے۔ جیسے دنیا ارباب سیاست کے ہاتھوں سے نکل کر اہل ادب کے قبضۂ قدرت میں آگئی ہے جیسے انسان بہیمیت بھول گیا ہے، انسان بن گیا ہے۔

جگن ناتھ آزاد کا کلام، غزل، نظم، قطعہ، رباعی، ادبیت میں رچا ہوا ہے۔ اس کی وہی ادبی روایات ہیں جو غالب، اقبال، حسرت موہانی، چکبست میں وجہ مشترک ہیں۔ الگ الگ شخصیت اور طرز اظہار کے باوجود ——!

یہ ایک گداز طبیعت، دردمند دل، حساس شخصیت کا کلام ہے۔ ایک محبت کرنے والے عالی ظرف دوست کی گفتار ہے، جو بہت سی باتیں چشم سخن گو اور جنبش ابرو سے کہہ جاتا ہے، وہ جسے بلاغت کہا جاتا ہے آزاد کے کلام میں اس کا وفور ہے۔ یعنی دل و دماغ دونوں کا نور ہے۔

اس ہیجانی دور میں ادبی توازن کو برقرار رکھنا بڑی عظمت کی نشانی ہے۔ جگن ناتھ آزاد کے کلام میں تازگی بھی ہے اور پختگی بھی۔

(ڈاکٹر) محمد دین تاثیر

چھٹا ایڈیشن ——— قیمت نوے روپے

ملنے کا پتا:

انجمن ترقی اردو (ہند) اردو گھر

۲۱۲، راؤز ایونیو، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

RekhtaDownload.com

نسیمِ حجاز

جیلانی بانو صاحبہ
اور
برادرِ عزیز انور معظم
کی نذر
جسٹس [illegible]
۱۱، ستمبر ۲۰۰۲ء

RekhtaDownload.com

نسیمِ حجاز

○

جگن ناتھ آزاد

○

ناشر:
محروم میموریل لٹریری سوسائٹی
نئی دہلی

© جگن ناتھ آزاد

پہلا ایڈیشن: ۱۹۹۹ء
کتابت : جمال گیاوی
طباعت : نیو آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی
بہ اہتمام : اختر زماں
ہدیہ : ۱۰۰/ (سو) روپے

ملنے کے پتے:
۱۔ انجمن ترقیِ اردو (ہند) اردو گھر، ۲۱۲، راؤز ایوینیو، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
۲۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی ۱۱۰۰۰۶

RekhtaDownload.com

تصحیح نامہ

قارئینِ کرام سے گذارش ہے کہ وہ ازراہِ کرم یہ مجموعہ کلام شروع کرنے سے پہلے اس تصحیح نامے کے مطابق الفاظ کی تصحیح کر لیں تاکہ منظومات کو پڑھتے وقت کوئی بے کیفی، بے لطفی یا تشنہ رہ پیدا نہ ہو۔ مصنف اس احتیاط کے لئے آپ کا شکر گذار ہوگا۔

صفحہ نمبر	مصرع نمبر/سطر نمبر	غلط	صحیح
۱۵	سطر نمبر ۱۲ کے بعد کا مصرع نمبر ۳	مذہب پہ تعصب	تفسیر غلط ہو
۷۶	مصرع نمبر ۸	بیدار	بیزار
۸۵	مصرع نمبر ۲	فسانہ ہے نہ فسوں	فسانہ نہ ہے فسوں
"	مصرع نمبر ۳	وہ یہ جنوں	یہ وہ جنوں
۸۸	مصرع نمبر ۱۱	ہمیشہ وردِ زباں	"ہمیشہ وردِ زباں
۹۸	مصرع نمبر ۵	تو	تُو
"	مصرع نمبر ۸	تو	تُو
۹۹	مصرع نمبر ۱۱	اَوج کی دُنیا	اَوج مقامی
۱۰۱	مصرع نمبر ۳	موقعہ	موقع
"	مصرع نمبر ۳	شاہ جہاں ہے	شاہ جہاں ہیں
۱۰۳	مصرع نمبر ۶	یہ شاہانہ جلال	بہ شاہانہ جلال
۱۰۵	مصرع نمبر ۱۱	جس پہ	جس پر
۱۱۵	مصرع نمبر ۳	نور اَور عام کے درمیان کا لفظ نہیں پڑھا جا رہا	ہدایت
۱۱۸	دُوسرے بند کا مصرع نمبر ۲	اس	اِس
۱۲۶	حاشیے کی پہلی سطر	تحسین	تحسین
۱۳۰	عنوانِ نظم	ولنیشیا	(کاتب نے نقطے آگے پیچھے کر دیئے ہیں۔ صحیح املا یہ ہے۔ ویلینشیا

RekhtaDownload.com

صفحہ نمبر	مصرع نمبر/سطر نمبر	غلط	صحیح
۱۳۰	پہلا مصرع	انڈلس	اُندلس
۱۳۱	پہلا مصرع	قرطبہ	قُرطبہ
"	حاشیے کی پہلی سطر	نیسنڈو	نمیڈو
۱۳۲	پہلا مصرع	ہری	ہرِی
۱۳۲	حاشیے کی پہلی سطر	لیکن جب	لیکن جب پہلی بار
"	حاشیے کی دوسری سطر	سامنے ہی	سامنے بھی
"	حاشیے کی تیسری سطر	مخصوص	بالخصوص
"	حاشیے کی چوتھی سطر	مارسیلونا سے	بارسیلونا سے
"	حاشیے کی چوتھی سطر	ویلشیا	ویلینشیا
۱۳۳	پہلا مصرع	وصیف	توصیف
۱۳۶	عنوان نظم	غرنیہ	غُرنیہ
"	چوتھا مصرع	قرطبہ	قُرطبہ
"	پانچواں مصرع	اندلس	اُندلس
"	ساتواں مصرع	مٹی	مٹّی
۱۳۳	نواں مصرع	مٹی	مٹّی
۱۳۴	ساتواں مصرع	خاک دہلی	ارضِ دہلی
۱۳۹	پہلے بند کا چھٹا مصرع	اے قبلۂ روحانیاں	اے قبلۂ ہر دانیاں
۱۴۷	دوسرے بند کا تیسرا مصرع	حسن سے	حُسن سے
۱۵۱	تمہیدی نثری عبارت کی دوسری سطر	شرکت کے لیے شام کو سنڈو	شرکت کے لیے۔ شام کو [illegible]
"	متن نظم کے پہلے بند کے درمیان		یہ نشان دے دیں۔ (۱)
۱۵۲	دوسرے اور تیسرے بند کے درمیان		یہ نشان دے دیں۔ (۲)
۱۵۳	آٹھواں مصرع	مجھ کو پڑھایا ہے	اس نے پڑھایا ہے
۱۵۵	تیسرا مصرع	انھوں نے ایک	فتنہ پردازوں نے
۱۵۶	تیسرا مصرع	"پیام آدمیت احترام آدمی"	پیام "آدمیت احترام آدمی"

اپنے والدین
اور
اساتذۂ کرام کے نام

ہوتا ہے اب یقین یہی ہر دُعا کے ساتھ
ماں باپ کی دُعا ہے مِری ہر دُعا کے ساتھ

RekhtaDownload.com

سرودے رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگارے ایں فقیرے
دِگر دانائے راز آید کہ ناید

اگر می آید آں دانائے رازے
بِدہ اُو را نوائے دِلگُدازے
ضمیرِ اُمتاں را می کُند پاک
کلیمے یا حکیمے نَے نوازے

(ارمغانِ حجاز) اقبال

RekhtaDownload.com

فہرست

Rekhtadownload.com

RekhtaDownload.com

ضیاء الدین اصلاحی
مدیر ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ (یوپی)

جگن ناتھ آزاد کا رنگِ حرم

میں ۱۹۵۲ء میں عربی کا مبتدی طالب علم تھا۔ اُسی زمانہ میں پہلی مرتبہ جناب جگن ناتھ آزاد کے نام پر اُس وقت نظر پڑی جب ان کی مشہور نظم "بھارت کے مسلماں" روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی کے ہفتہ وار ایڈیشن میں شائع ہوئی، یہ نظم مسلمانوں کی ہمدردی و خیر خواہی میں بڑے اخلاص، دل سوزی اور دردمندی کے ساتھ کہی گئی تھی اس لیے جہاں سوز و اثر میں ڈوبے ہوئے اس کے ہر بند نے تڑپایا وہاں ایک ہندو کے پند و موعظت اور اسلامی و ایمانی حرارت سے لبریز اشعار نے عجیب حیرانی میں ڈال دیا :

ہوں دَیر میں یہ رنگِ حرم دیکھ کے حیراں

اس مضمون میں آزاد صاحب کے رنگِ حرم کے کچھ نقوش نمایاں کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اُوپر جس نظم کا ذکر آیا ہے وہ دراصل بھارت کے مسلمانوں کے لیے ایک درس و پیام ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر مسلمانوں کی پُر عظمت تاریخ اور ہندوستان میں ان کے زرّیں عہد کے لازوال کارناموں سے نہ صرف واقف ہے بلکہ اس کے نزدیک یہ بھی مسلّم ہے کہ بھارت کے مسلمانوں نے اپنے ملک کی عظمت میں چار چاند لگائے ہیں اور اس کو اپنے علم و ہنر سے مالا مال کیا ہے۔ بھارت کی مشترکہ تہذیب کو چمکانے اور اس کے ملے جلے تمدن کو سنوارنے اور ملک کی تقدیر بنانے میں ان کا بڑا دخل رہا ہے۔ مسلمانوں کی کوششوں اور قربانیوں سے قطروں کو شورشِ طوفان ملی اور خاکِ وطن کے ذرّے، مہرِ درخشاں بن گئے،

آزاد صاحب کو اسی لیے حیرت ہے کہ اب بھارت کا مسلمان کیوں اپنے کو یہاں اجنبی اور بیگانہ سمجھ رہا ہے جب کہ اس ملک پر اس کا حق کسی فرقہ و گروہ سے کم نہیں، فرماتے ہیں:

بھارت کا تو فرزند ہے بیگانہ نہیں ہے — یہ دیس ترا گھر ہے تو اس گھر کا مکیں ہے
تابندہ ترے نور سے اس گھر کی جبیں ہے — کس واسطے افسردہ و دلگیر و حزیں ہے
پہلے کی طرح باغِ وطن میں ہو نوا خواں
بھارت کے مسلماں!

میرا ہی نہیں ہے یہ گلستاں ہے ترا بھی — ہر غنچہ و گل و لالہ و ریحاں ہے ترا بھی
اس خاک کا ہر ذرۂ تاباں ہے ترا بھی — اس بحر کا ہر گوہرِ رخشاں ہے ترا بھی
دامن میں اٹھالے یہ سبھی گوہرِ رخشاں
بھارت کے مسلماں!

تقسیم کے بحرانی دور میں مسلمانوں پر شدید خوف و ہراس طاری ہوا اور وہ اضطراب و سراسیمگی کے عالم میں ملک کو خیرباد کہنے لگے۔ اس بنا پر جگن ناتھ آزاد کو کہنا پڑا کہ جس ملک کو تم نے اپنا خون پسینہ بہا کر بنایا اور جس کی تعمیر و تشکیل کے لیے اپنی زندگی وقف کی اسے چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ تمھیں تو یہیں رہنا اور اسی خاک کا پیوند ہونا اور اس کے ہر سرد و گرم کو جھیلنا ہے:

گلزارِ تمنا کا نکھرنا بھی یہیں ہے — دامن گلِ مقصود سے بھرنا بھی یہیں ہے
ہر مشکل و آساں سے گزرنا بھی یہیں ہے — جینا بھی یہیں ہے تجھے مرنا بھی یہیں ہے
کیوں منزلِ مقصد سے بھٹک جائے وہ انساں
بھارت کے مسلماں!

انھوں نے مسلمانوں کو یاد دلایا کہ اس سرزمین پر ان کی عظمت و تقدس کے لازوال نقوش ثبت ہیں، وطن عزیز کی شان و توقیر کو دوبالا کرنے والی ان کی پاکیزہ اور عظیم الشان یادگاریں:

اجمیر کی درگاہِ معلیٰ تری جاگیر — محبوبِ الٰہی کی زمیں پر تری تنویر
ذرات میں کلیر کے فروزاں تری تصویر — ہانسی کی فضاؤں میں ترے کیف کی تاثیر
سرہند کی مٹی ہے ترے دم سے فروزاں
بھارت کے مسلماں!

ہر ذرۂ دہلی ہے ترے ضَو سے منوّر | پنجاب کی مستی اثرِ جذبِ قلندر
گنگوہ کی تقدیس ہے قدوس سراسر | پٹنے کی زمیں نکہتِ خواجہ سے معطّر

مدراس کی مٹی میں نہاں تاجِ شہیداں
بھارت کے مسلماں !

جگن ناتھ آزاد نے مسلمانوں کی شان و شوکت سے معمور تاریخ و روایت اور پرفخر اور ناقابلِ فراموش کارناموں کو یاد دلا کر ان سے سوال کیا کہ آخر وہ اپنی شاندار روایات و خصوصیات سے کیوں دست بردار ہوتے جا رہے ہیں۔ اُن کا جمال و جلال تو اپنی عظیم الشّان روایت اور اپنے ممتاز اوصاف سے وابستہ رہنے میں ہے، اگر اپنی تہذیب سے ان کی بیگانہ وشی کا یہی حال رہا تو انھیں تاریخ کا افسانہ بن جانے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ جگن ناتھ آزاد کی تلقین یہ ہے کہ مسلمان اس ملک میں اپنے امتیازات و تشخصات کے ساتھ رہیں اور اپنی عظمتوں کے آثار اور گنجینوں کے محافظ ہیں۔ ملاحظہ ہو:

ہرگز نہ بھلا میرؔ کا غالبؔ کا ترانہ | بن جائے کہیں تیری حقیقت نہ فسانہ
قزاقِ فنا کو تو ہے درکار بہانہ | تاراج نہ ہو قاسمؔ و سیّدؔ کا خزانہ

اے قاسم و سیّد کے خزانے کے نگہباں
بھارت کے مسلماں !

حافظؔ کے ترنّم کو بسا قلب و نظر میں | رومیؔ کے تفکر کو سجا قلب و نظر میں
سعدیؔ کے تکلّم کو بٹھا قلب و نظر میں | دے نغمۂ خیامؔ کو جا قلب و نظر میں

یہ لحن ہو پھر ہند کی دنیا میں پرافشاں
بھارت کے مسلماں !

جس قوم نے دنیا کو علم و عرفان بخشا، ایمان و اعتقاد کی راہ پر گامزن کیا، تہذیب و شائستگی کا درس دیا۔ اپنے یقین و اخلاص سے ہر ہر خطّہ کو روشنی اور رونق عطا کی۔ جگن ناتھ آزاد کو افسوس ہے کہ آج اس کا ایمان متزلزل ہو رہا ہے اور وہ حالات کے اُتار اور چڑھاؤ سے گھبرا رہی ہے، ظلمت و تیرگی میں اس کا نور چھپا جا رہا ہے:

اس دور میں تو کیوں ہے پریشاں پُر ارماں | کیا بات ہے کیوں ہے متزلزل ترا ایماں
دانش کدۂ دہر کی اے شمع فروزاں | اے مطلعِ تہذیب کے خورشیدِ درخشاں

حیرت ہے گھٹا میں ہے ترا نور ہو ترساں

بھارت کے مسلماں!

جگن ناتھ آزاد صاحب کو مسلمانوں کے حالِ زار اور در بدر ٹھوکریں کھانے کا سبب بھی معلوم ہے۔ ان کے نزدیک اسلام کی تعلیم ترک کر دینے کی وجہ سے مسلمانوں کے اجتماعی و انفرادی کردار میں خرابی اور عقائد میں خلل آگیا ہے اس لیے وہ ذلّت و نکبت سے دوچار ہیں۔ ان کی ترقی کا راستہ اب اگر کھل سکتا ہے تو اس طرح کہ وہ اپنا کھویا ہوا سرمایہ دوبارہ حاصل کریں اور اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کریں، فرماتے ہیں:

اسلام کی تعلیم سے بیگانہ ہوا تو | نا محرمِ ہر جراتِ رندانہ ہوا تو
آبادیِ ہر بزم تھا ویرانہ ہوا تو | تو ایک حقیقت تھا اب افسانہ ہوا تو

ممکن ہو تو پھر ڈھونڈ گنوائے ہوئے ساماں

بھارت کے مسلماں!

اور یہ گنوائے ہوئے ساماں کس طرح مل سکتے ہیں؟ اور مسلمانوں کے بقا و تحفظ کی صورت کیا ہو سکتی ہے؟ اس کو بھی آزاد صاحب ہی کی زبان سے سن لیجیے:

قرآن کی تعلیم سے پھر درس تھا لے | پھر روح میں پیغامِ محمدؐ کو بسا لے
گزرے ہوئے عظمت کے زمانے کو بلا لے | روٹھی ہوئی ایمان کی دولت کو منا لے

ایمان کی دولت کو گنوائے ہوئے انساں

بھارت کے مسلماں!

آزاد صاحب کو اس پر بڑا تعجب ہے کہ مسلمانوں نے دنیا کو علم و تہذیب کی روشنی بخشی تھی، ظلمت کدۂ دہر کو فروزاں کرنے والے وہی تھے لیکن آج ان کی بے نوری، تنگ دستی اور تہی دامنی کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی ساری پونجی کو گنوا کر دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کر رہے ہیں۔ آخر ان کی غیرت و حمیت کیا ہوئی!

اور کس طرح وہ اپنی اس پستی اور گداگری پر قانع ہیں:

بسطامی و بصری و عراقی و غزالی جس علم کی، جس فقر کی دنیا کے تھے والی
حیرت ہے کہ تو ہے اب اسی دنیا میں سوالی ہے گوشۂ پستی میں تری ہمتِ عالی
افسوس صد افسوس تری تنگیٔ داماں
بھارت کے مسلماں!

مسلمانوں کی سیرت و کردار کا ایک کمزور اور افسوسناک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ سیدھے سادے اصل اسلام کو چھوڑ کر غلط رسوم و خرافات میں پڑ گئے ہیں، ان کی اس غلط روی اور کج اندیشی کی بنا پر اسلام کا اصل اور تابناک چہرہ بگڑ گیا ہے، زمانہ کے تقاضوں اور مطالبوں کے مطابق اسلام کی تعبیر کا جو انداز ہونا چاہیے تھا مسلمان اس کی بھی پروا نہیں کر رہے ہیں اس کی وجہ سے وہ علم و خرد کے اس دور میں اسلام کی صداقت نمایاں نہیں کر پا رہے ہیں۔ مسلمانوں کے اسلام کی اصل حقیقت کو فراموش کر دینے پر آزاد صاحب افسوس ہی نہیں کرتے بلکہ انھیں اس سے بھی آگاہ فرماتے ہیں کہ:

مذہب جسے کہتے ہیں وہ پوچھو تو ہے پیار نفرت سے پرے اس کا ہر اک طور ہے پیارے
مذہب پہ تعصب تو بڑا جور ہے پیارے عقل و خرد و علم کا یہ دور ہے پیارے
اس دور میں مذہب کی صداقت ہو نمایاں
بھارت کے مسلماں!

اسلام تو مہر اور مروت کا بیاں ہے اخلاص کی روداد محبت کا بیاں ہے
ہر شعبۂ ہستی میں صداقت کا بیاں ہے اک زندہ و پائندہ حقیقت کا بیاں ہے
کیوں دل میں ترے ہو نہ حقیقت یہ فروزاں
بھارت کے مسلماں!

آزاد صاحب کو اس کا احساس اچھی طرح ہے کہ بھارت کے مسلمان اس وقت مشکلات و شدائد میں گھر گئے ہیں اور طوفانِ حوادث میں انھیں کنارا نہیں مل رہا ہے لیکن اس کے باوجود وہ انھیں یاس اور بزدلی کا شیوہ چھوڑ کر عزم و حوصلے سے کام لینے کی دعوت

دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ مشکلات کبھی ہمتِ عالی کی راہ میں حائل نہیں ہوتیں۔ خطرات اور آزمائشیں جھیلنے کے بعد ہی کامرانی اور کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ تخت و تاج کا راستہ دار و رسن سے ہو کر گزرتا ہے اور ساحل پسِ پردۂ طوفان ہوا کرتا ہے۔ ذرا ان اشعار کی معنویت پر غور کیجیے:

طوفان میں تو ڈھونڈ رہا ہے جو کنارا — امواج کا کر دیدۂ باطن سے نظارا
ممکن ہے کہ ہر موج نظر کو ہو گوارا — ممکن ہے کہ ہر موج بنے تیرا سہارا
ممکن ہے کہ ساحل ہو پسِ پردۂ طوفاں
بھارت کے مسلماں!

ایک اور بڑے اہم نکتہ کی جانب آزاد صاحب نے مسلمانوں کی توجہ مبذول کرائی ہے جو یہ ہے کہ وہ ہندوستان کے بدلے ہوئے حالات میں اپنی جگہ بنائیں، طرزِ کہن پہ اڑنے کے بجائے آئینِ نو کا خیر مقدم کریں۔ نئے حالات اور نئے ماحول کو اپنے لیے سازگار بنا کر ہی وہ اپنی اور ملک کی تعمیر و ترقی کا کام کر سکتے ہیں۔ ملک سے بیگانہ رہنے کا انداز چھوڑ دیں، ان کو اس ملک کی اور ملک کو ان کی ضرورت ہے، ان کے بغیر ملک کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہا ہے۔ اس لیے بدلے ہوئے حالات کے مطابق اپنی فلاح و بہبود کا نیا نقش بنانے ہی سے ظلمتیں کافور اور مسلمانوں کے بخت و اقبال کا ستارہ چمک سکتا ہے:

ماحول کی ہو تازہ ہوا تجھ کو گوارا — درکار ہے تہذیب کو پھر تیرا سہارا
کر آج نئے رنگ سے دنیا کا نظارا — چمکے گا پھر اک بار ترے بخت کا تارا
ہو جائے گی تاریکیِ ماحول گریزاں
بھارت کے مسلماں[1]

دیر میں جگن ناتھ آزاد صاحب کی یہ اذانِ حرم سن کر بہت سے غافل مسلمان چونک

---

[1] یہ نظم 'نوائے پریشاں' میں ص ۱۴۲ تا ص ۱۴۷ میں موجود ہے اور اسی کے بند وہیں سے لیے گئے ہیں لیکن آزاد صاحب کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ یہ اپنے صحیح سیاق و سباق میں "ملے ملے" (جالیں) کے جگن ناتھ آزاد نمبر میں درج ہے۔ (ض ا د ا ا)

اٹھے اور 'الجمعیۃ' میں شائع ہونے والی یہ نظم متعدد اخباروں اور رسالوں میں چھپی، جناب نیاز احمد صدیقی مرحوم[1] پرنسپل محمد حسن انٹر کالج جون پور نے اسے پمفلٹ کی صورت میں شائع کر کے تقسیم کرایا۔ ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ میں کوئی مطبوعہ چیز نہیں چھپتی مگر "مدیر معارف" جناب شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم نے اس مطبوعہ نظم کو اپنے اس نوٹ کے ساتھ شائع کیا:[2]

"مذکورہ بالا نظم جس اخلاص سے لکھی گئی ہے اور جن شریفانہ اور اسلامی جذبات پر مشتمل ہے وہ اس کا ثبوت ہے کہ تعصب اور تنگ نظری کے اس دَور میں بھی انسانیت کی شمع گُل نہیں ہو گئی ہے، اس نظم کی قدر و قیمت اس لیے اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ اس کا لکھنے والا گزشتہ انقلاب کا ستایا ہوا ہے مغربی پنجاب کا ایک بے خانماں ہندو ہے، یہ نظم اس لائق ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کی نگاہوں سے گزرے اس لیے اس کو اخبار 'الجمعیۃ' سے نقل کیا جاتا ہے۔"

شاہ صاحب کی اپنے اس نوٹ کے آخر میں پاکستان کے شعرا کو اس نظم کا جواب لکھنے کی اس طرح دعوت دی تھی:

"ہم کو امید ہے کہ انسانی اخوت و محبت کی اس آواز کا جواب پاکستان سے بھی دیا جائے گا"[3]

شاہ صاحب کی یہ اپیل رائیگاں نہیں گئی معارف سے یہ نظم کراچی کے رسالہ 'دعوۃ الحق' میں اس کے ایڈیٹر کے اس نوٹ کے ساتھ شائع ہوئی:

"رسالہ معارف" اعظم گڑھ کے فروری ۱۹۵۲ء کے پرچے میں جناب جگن ناتھ آزاد کی ایک نظم "بھارت کے مسلماں" کے عنوان سے شائع ہوئی ہے، نظم نہایت ہمدردانہ اور مخلصانہ جذبات سے معمور ہے اور اس قدر پسندیدہ ہے کہ ہم کو ہندوستان کے بعض بزرگوں کی طرف سے خط موصول ہوئے کہ ممکن ہو تو جناب

---

[1] پروفیسر رشید احمد صدیقی مرحوم کے چھوٹے بھائی۔ [2] جگن ناتھ آزاد کی یہ نظم دار العلوم دیوبند کے ایک خاصے بڑے کمرے میں شیشے کے فریم میں محفوظ دیوار پر آویزاں ہے۔

[3] 'معارف' فروری ۱۹۵۲ء۔

اسد ملتانی سے اس کا جواب لکھوایا جائے اور دونوں نظموں کو دعوۃ الحق میں شائع کیا جائے۔

جب جناب اسد کو دعوت دی گئی تو انھوں نے فرمایا کہ نظم لاجواب ہے، اس کا جواب تو نہیں دیا جا سکتا، البتہ منظوم اعتراف پیش کر سکتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی جوابی نظم "ہمدردِ مسلماں" کے عنوان سے لکھ کر ہماری دعوت کا حق ادا کر دیا ہے۔ در اصل جناب آزاد کی نظم کے مخاطب بھارت کے مسلماں ہیں لیکن اسلام کی عالمگیر اخوت میں ملکی و وطنی حد بندیاں حائل نہیں ہو سکتیں، بنابریں پاکستانی شاعر نے گویا مسلمانانِ ہند کی نمایندگی کرتے ہوئے ان کی طرف سے جگن ناتھ آزاد صاحب کا منظوم شکریہ ادا کیا ہے۔[1]

اسد ملتانی صاحب کی نظم واقعتاً بہت خوب ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے وہ بند یہاں نقل کر دیے جائیں جن میں آزاد صاحب کی ممنونیت اور تشکر کا خاص طور پر ذکر ہوا ہے اور جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دیر میں رہ کر بھی آزاد صاحب حرم کی پاسبانی کر رہے ہیں ملاحظہ ہو:

تیرا میں جگن ناتھ ہوں شرمندۂ احساں ۔۔۔ تو جانتا ہے تجھے خوب مرے درد کا درماں
روشن ترے دل پر ہوا میرا غمِ پنہاں ۔۔۔ صاف اس سے خلوص اور محبت ہے نمایاں
اے پیکرِ غمخواری و دل سوزیِ انساں
ہمدردِ مسلماں

ہر نکتہ ترا نشترِ فصاد سے بھی تیز ۔۔۔ ہر حرف ترا فکر و نظر کے لیے مہمیز
ہر نغمہ ترا ولولہ انگیز و جنوں خیز ۔۔۔ ہر شعر ترا جذبۂ اخلاص سے لبریز
ہے آتشِ تبریز ترے دل میں فروزاں
ہمدردِ مسلماں

---

[1] بحوالہ معارف ۱۹۵۲ء

تو خوش رہے اے حضرتِ محروم کے فرزند
اخلاص و محبت سے ہے معمور تری پند

سُن کر تری باتیں مری ہمت ہوئی دو چند
تو نے دلِ مجبور کے سب کھول دیے بند

دل سے ترا ممنون ہوں اور بندۂ احساں

ہمدردِ مسلماں

جس دور میں نازاں ہوں تعصب پہ زن و مرد
جس دور میں ہر راہ سے نفرت کی اُٹھے گرد

جس دور میں دل مہر و محبت سے ہوئے سرد
اس دور میں موجود ہوں تجھ ایسے بھی ہمدرد

ہوں دیر میں یہ رنگِ حرم دیکھ کے حیراں

ہمدردِ مسلماں

کیا خوب طبیعت کی بلندی میں بڑھا تو
اقبال کے پاکیزہ دبستاں میں پڑھا تو

سائے میں بزرگوں کے پلا اور بڑھا تو
اسلام کے ماحول میں پروان چڑھا تو

ملتان تری گرمیِ گفتار پہ نازاں

ہمدردِ مسلماں

یہ شروع کے بند تھے، ایک آخر کا بند بھی ملاحظہ ہو:

میں بحر ہوں جنبش مجھے طوفاں سے ملے گی
بیتاب طبیعت غمِ پنہاں سے ملے گی

توفیقِ عمل قوتِ ایماں سے ملے گی
ایمان کی دولت مجھے قرآں سے ملے گی

رُخ تو نے مرا پھیر دیا جانبِ قرآں

ہمدردِ مسلماں [1]

ہندوستان کے مسلم شعرا نے بھی جگن ناتھ آزاد کے احسان اور ممنونیت کا اعتراف کیا ہے، خود دارالمصنفین اور ملک کے ممتاز شاعر جناب یحییٰ اعظمی نے "اعتراف و تشکر" کے عنوان سے ایک طویل نظم کہی جس میں آزاد صاحب کے جلوۂ حرم دکھانے کا شکریہ ادا کرنے کے علاوہ قوموں کے اسبابِ زوال کا تجزیہ کیا ہے مسلمانوں کے غلط کار و غلط کوش ہونے اور بھارت میں اپنی

---

[1] بحوالہ "معارف" (اعظم گڑھ) جون ۱۹۵۲ء۔

تہذیب و تمدن کی عظیم الشان یادگاروں اور عظمت و شوکت کے شاندار خزانوں اور سرمایوں کو چھوڑ کر ملک سے باہر چلے جانے پر افسوس کا اظہار کیا ہے، یہاں تشکر و امتنان پر مشتمل بعض بندوں کو نقل کر کے آزاد کا رنگِ حرم اور مسلمانی کا جلوہ دکھانا چاہتے ہیں:

یہ نغمۂ دل کش ترا، یہ نالۂ دل دوز　　یہ تیری فغانِ اثر انگیز و جگر سوز
یہ پندِ محبت، یہ پیامِ ادب آموز　　اے مادرِ قومی کے جوانِ نظر افروز

بھارت کے مسلمان پہ ہے یہ ترا احسان
ممنون ترا کیوں نہ ہو بھارت کا مسلمان

تو نے اسے مدہوشیِ غفلت سے جگایا　　بھولا ہوا پیغام اسے یاد دلایا
ماضی کی روایات کا افسانہ سنایا　　پھر عظمتِ پارینہ کا راز اس کو بتایا

دی تو نے اسے سچے مسلمان کی تعلیم
اسلام کی، قرآن کی، ایمان کی تعلیم

بھارت کے مسلماں کے لیے یہ ترا پیغام　　دراصل ہے اک ولولۂ تازہ کا انعام
تو نے اسے بتلائے ہیں قرآن کے احکام　　لب پر ہے ترے زمزمۂ عظمتِ اسلام

سننا تھا جسے حاملِ قرآں کی زباں سے
وہ درس ملا اس کو ترے سوز فغاں سے

ہم دل سے تری پندِ محبت کے ہیں مشکور　　پیغام ترا جذبۂ عالی سے ہے معمور
تڑپا جو ہمارے لیے تیرا دلِ رنجور　　شرحِ غمِ دل کے لیے تو ہو گیا مجبور

حیرت ہے یہ آوازِ حق اس دورِ فتن میں
ہے شکر کہ ایسے ہیں جواں اب بھی وطن میں

ماضی کی روایات کا جو زمزمہ خواں ہے　　غیروں کے کمالات کا جو مرتبہ داں ہے
جس گلشنِ ملت کا تو اک سروِ رواں ہے　　جس مادرِ قومی کا تو فرزندِ جواں ہے

لاریب زمانے میں ہے وہ لائقِ تبریک
ہے قابلِ توصیف وہ انصاف کے نزدیک[۱]

---

[۱] معارف اگست ۱۹۵۷ء

ان کی نظم "دہلی کی جامع مسجد" پر بھی رنگِ حرم کی چھاپ ہے۔ اِس مسجد کو وہ سنگ و خشت ہی کا ڈھانچہ نہیں سمجھتے بلکہ اس کی عظمت و شکوہ، جمال و جلال، نقش دل آویز اور رعنائی افکار انھیں یہ دعوتِ فکر و نظر دے رہی ہے:

ہر خشت میں آباد ہے افکار کی دُنیا — ہر سنگ میں ہے جذبۂ بیدار کی دُنیا
ہر نقش میں خوابیدہ ہے اسرار کی دُنیا — تعمیر ہے تیری کہ ہے انوار کی دُنیا

کیا تجھ سے کہوں کیا ہے تری اوجِ مقامی
تو عالمِ فانی میں ہے اک نقشِ دوامی[1]

ابھی حال ہی میں فرقہ واریت اور اندھی سیاست کے جنون میں چار پانچ سو برس پرانی بابری مسجد منہدم کر کے اس کی جگہ مندر کی داغ بیل ڈال دی گئی، اِس شرمناک واقعہ پر آزاد صاحب درد و غم کے طوفان میں ڈوب گئے اور ایک نظم اپنا رنگِ حرم دکھانے کے لیے مجبور ہو گئے، جس میں انھوں نے مسجد مسمار کرنے والوں کی خباثت، شقاوت اور شیطنت پر نکیر کرنے کے علاوہ اس فعل شنیع کو ہندوستان کی حُرمت و تقدس پر بٹہ لگانے والا اور ہندو مذہب کی رُوح کے منافی اور اس کے ذلت و رسوائی بتایا ہے، ان کی حقیقت پسندی دیر و حرم میں تفریق کی روادار نہیں ہے، ان کا دردمند دل اس واقعہ سے بے چین ہو کر دیر میں اس طرح صدائے اذان دیتا ہے:

خُدا کا گھر ہے مندر بھی، خُدا کا گھر ہے مسجد بھی
مجھے تو میرے ہندو دھرم نے بس یہ سکھایا ہے
نہیں ہے دھرم وہ ہرگز فقط اندھی سیاست ہے
تجھے تیرا یہ درسِ شیطنت جس نے پڑھایا ہے

---

[1] "نوائے پریشاں"، ص ۱۱۵۔

مُروّت جس کو کہتے ہیں، مُودّت جس کو کہتے ہیں
یہ مسجد اُس مُروّت، اُس مُودّت کی علامت تھی
اِسی کے ساتھ تو اِک اپنا مندر بھی بنا لیتا
وہی تیرا بڑا پن تھا وہی تیری کرامت تھی

خُدا کے گھر کو جب تو منہدم کرنے کو نکلا تھا
خدا جانے ترے دل میں خیالِ خام کیا ہوگا
مکافاتِ عمل کہتے ہیں جس کو اک حقیقت ہے
تُو اے مُقلّب کیا کہیے ترا انجام کیا ہوگا

یہ مسجد آج بھی زندہ ہے اہلِ دل کے سینوں میں
خبر بھی ہے تجھے مسجد کا پیکر توڑنے والے
ابھی یہ سرزمیں خالی نہیں ہے نیک بندوں سے
ابھی موجود ہیں ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے[1]

ایک اور نظم "حمد سے منقبت تک" کہی ہے جس میں توحید و معرفت کے اسرار عظمتِ رسول اور صحابہ کی منقبت کے حقائق بیان ہوئے ہیں، اس کے متعلق جس کا عنوان ہے "عالمِ خیال میں ابوالفیض فیضی کے ساتھ چند لمحے" خود آزاد صاحب کا یہ تبصرہ ملاحظہ ہو:

"اردو میں اِس عنوان پر نظم مجھے ابھی تک نظر نہیں آئی، ہو سکتا ہے کسی نے کہی ہو اور میں اِس سے بے خبر رہا ہوں۔"

پہلے شاعر توحید کے حقائق ایک خاص شان اور منفرد انداز میں اس طرح پیش

---

[1] معارف (اعظم گڑھ) اپریل ۱۹۹۳ء۔

کرتا ہے :

مَیں قُدس کا طائر ہوں پرے ہوں میں نوا سے
مرغِ ملکوتی کو نہیں کام ہوا سے !
بُرہان اُسے لے جا نہ سکا نفی کی جانب
واقف مرا دل ہو نہ سکا معنی لا سے
یوں کشفِ حقائق ہوا مجھ کو سبق آموز
فارغ ہوں مَیں ترتیب دلیلِ حکما سے
مَیں اہلِ جدل سے نہ کہوں نکتۂ توحید
وحدت میں مجھے کام نہیں چون و چرا سے
جب دل میں یقیں ہے تو گماں سے مجھے کیا کام
اربابِ صواب اور انھیں کام خطا سے؟
جس قافلۂ شوق کو منزل کا پتا ہے
کیا ربط اُسے رقصِ جرس و بانگِ درا سے
جبروت کا نور اور اندھیرے سے ہراساں
آئینۂ صبح اور اسے کام مسا سے؟

اب نعتیہ اشعار کی نکتہ آرائی اور شاعرانہ دل فریبی دیکھیے :

وہ علم ہے بے کار، خرد باعثِ آزار
بے گانہ ہے جو صاحبِ لولاک لما سے
تاریک ہو یہ سارا جہاں میری نظر میں
طلعت نہ ملے مجھ کو اگر بدرِ دُجیٰ سے
کیا تجھ کو خبر حدّتِ خورشیدِ قیامت!
پرتو مرے ہر لمحے پہ ہے شمسِ ضحیٰ سے

اور صحابہ کی منقبت میں فرماتے ہیں:

صد شکر کہ ہوں پیروِ اصحابِ محمدؐ
کیا کام مجھے اور کسی راہ نما سے
دل کیوں ہو کسی بدرقۂ شوق کا محتاج
وابستہ ہوں حب بشیر و صدق وصفا سے
اُس نقد شناسائی کو غارت کرے اللہ
بیگانہ ہے جو اک گہرِ بحرِ حیا سے[1]

نعت و منقبت کے اشعار نے جگن ناتھ آزاد صاحب کی مبسوط نظم جمہور نامہ کی جانب ذہن کو منتقل کر دیا، اس کا ایک حصہ جو ولادتِ باسعادت اور بعثتِ نبوی سے متعلق ہے، دسمبر ۵۹ء کے معارف میں اس وقت کے ایڈیٹر مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کے اس نوٹ کے ساتھ چھپا تھا:

"جگن ناتھ آزاد صاحب نے جمہور نامہ کے نام سے کئی ہزار اشعار کی ایک طویل نظم لکھی ہے جس میں ابتدائے آفرینش سے لے کر اس وقت تک دنیا کی سرگزشت بیان کی گئی ہے، اس کا ایک باب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اس کی برکتوں پر بھی ہے، آزاد صاحب اگرچہ ہندو ہیں لیکن اسلامی افکار و تصورات اور مسلمانوں کی تہذیب و روایات کے بڑے مزاج شناس ہیں اس لیے اسلامی موضوع پر ان کی نظموں میں اسلامی رُوح بولتی نظر آتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر بڑا موثر اور دلکش ہے اس قسم کی نظموں میں جو مختلف النوع واقعات اور خیالات پر مشتمل ہوں، شاعرانہ پہلو کا سنبھالنا آسان نہیں ہے لیکن

---

[1] "معارف" (اعظم گڑھ) فروری ۱۹۹۰ء۔

جگن ناتھ صاحب آزاد ایک قادر الکلام شاعر ہیں اس لیے انھوں نے اس نظم میں شاعرانہ خوبیوں کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے جس کا اندازہ اس نظم سے ہوگا۔"

اس میں شاعر فخرِ موجودات کے ذکرِ جمیل سے پہلے بارگاہِ خداوندی میں ادب شناس زبان وقلم اور ایسے مہذب وشائستہ پیرایۂ بیان کا طالب ہوا ہے جو آپ کی عظیم وجلیل ہستی کے شایانِ شان ہو اور اس کے فضل وکرم اور فیضِ خاص سے قوتِ گفتار کا ملتجی ہوا ہے تاکہ سخنوروں میں اس کا بھرم رہ جائے اور وہ آپ کے درجہ ومرتبہ کے مطابق آپ کو اپنا خراجِ عقیدت اور نذرانۂ تحسین پیش کرسکے۔ ملاحظہ ہو:

پلا دے معرفت کی جس قدر بھی ہے مئے باقی
کہ میرے لب پہ ذکرِ فخرِ موجودات ہے ساقی
اٹھا وہ جام جو احساس کی دنیا کو گرما دے
مرے جذبے کو اپنی ایک موجِ مے سے چمکا دے
جو مجھ کو بات کرنے کا مؤدب ڈھنگ سکھلا دے
مری گفتار کی قوت پہ یہ احسان فرما دے
کہ اب مجھ کو گزرنا ہے بڑے نازک مقاموں سے
کبھی بطحا کی صبحوں سے کبھی یثرب کی شاموں سے
جہانِ شاعری میں آج رہ جائے بھرم میرا
سخن سنجوں کی صف میں ہو نہ شرمندہ قلم میرا

پھر وہ اس موضوع کی اہمیت ونزاکت بتلاتے ہیں جہاں عُرفی جیسے مغرور شاعر کو بھی قدم رکھنے میں گھبراہٹ اور پریشانی ہوتی تھی:

عُرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را

ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعتِ شہ کونین و مدیح کے وجم را

جگن ناتھ آزاد صاحب کو بھی بہ خوبی احساس ہے کہ وہ کیسے اہم اور نازک موضوع پر قلم اٹھانے جا رہے ہیں:

مجھے لکھنا ہے اک انسانیت کا بابِ تابندہ
و منوّر جس کے ہوں الفاظ، معنے جس کے رخشندہ
مجھے اس محسنِ انسانیت کا ذکر کرنا ہے
مجھے رنگِ عقیدت فکر کے سانچے میں بھرنا ہے
بیاں کرنا ہے اوجِ ابنِ آدم بن کے کون آیا
بیاں کرنا ہے فخرِ ہر دو عالم بن کے کون آیا
بتانا ہے کہ جب انسان سچی راہ بھولا تھا
وہ جب نازاں تھا کج بینی پہ گمراہی پہ پھولا تھا
تو کیونکر غیب سے انسانیت کا رہنما آیا!
شفاعت کا لیے ساماں بشر کا آسرا آیا
وہ کیا ساماں تھے جب اتری تھی رحمت دو جہانوں کی
بلندی مل گئی کیونکر زمیں کو آسمانوں کی
بشر سے کس طرح تورات کے وعدے ہوئے پورے
سحر کے، شام کے، دن رات کے وعدے ہوئے پورے
بشارت جس کی دی تھی ابنِ مریم نے زمانے کو
وہ ہستی کون تھی کب آئی تھی محفل سجانے کو

شاعر ایسے ہی مہتم بالشان موضوع کے تصور سے لرزہ براندام ہے کہ وہ اپنی تمام تر عاجزی، بے چارگی اور ہیچمدانی کے ہوتے ہوئے اس کا حق کیونکر ادا کر سکتا ہے وہ مختلف موضوعات پر طبع آزمائی کر چکا ہے، بگم کی مدح اور رعب کی داستان سرائی سے لبریز ہو چکا ہے لیکن یہ سب تو فرشِ زمین کی باتیں تھیں، اب اسے عرش، خطیرۃ القدس

سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کرتی ہے - چنانچہ کہتا ہے :

نہ ہے تابِ سخن مجھ کو نہ ہے تحریر کا یارا
میں ذرہ ہوں مرا موضوع خورشید جہاں آرا
کہانی لکھ چکا ہوں گرچہ سورج چاند تاروں کی
بہت دہرا چکا ہوں داستاں رنگیں بہاروں کی
مگر وہ چاند، تارے، پھول، سورج سب ہیں جسمانی
جو اب موضوع ہے خورشید میرا، وہ ہے روحانی
یہ خورشید ضمیر آرا ہے خورشید معانی ہے
اسی خورشید کے ذرے کے لب پر اب کہانی ہے

ولادت نبوی سے قبل عرب اور باقی دنیا کی جو حالت بیان کی ہے اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی افکار و تصورات آزاد صاحب کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں اور وہ ان کی ترجمانی بڑے لطیف، اور مؤثر انداز میں کرتے ہیں لیکن ہم طوالت کی وجہ سے اسے نظر انداز کر کے صرف ولادت سے متعلق چند اشعار نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

غرض دنیا میں چاروں سمت اندھیرا ہی اندھیرا تھا
نشانِ نور گم تھا اور ظلمت کا بسیرا تھا
کہ دنیا کے افق پر دفعتاً سیلابِ نور ابھرا
جہانِ کفر و باطل میں صداقت کا ظہور ابھرا
صداقت کی خبر دیتا بشیر آیا، نذیر آیا
شہنشاہی نے جس کے پاؤں چومے وہ فقیر آیا
بھٹکتے دَور کو رستہ دکھانے رہ نما آیا
سفینے کو تباہی سے بچانے ناخدا آیا
جسے حق نے کیا تسلیم ختم المرسلیں آیا!
جسے دنیا نے مانا رحمۃ اللعالمیں آیا

خلیق آیا، کریم آیا، رؤف آیا رحیم آیا
کہا قرآں نے جس کو صاحبِ خلقِ عظیم آیا
بصیرت عام فرماتا ہوا مردِ بصیر آیا
اندھیرے کی حکومت میں تجلّی کا سفیر آیا
تجلّی عام فرماتا ہوا شمس الضحیٰ آیا
امام الانبیا آیا محمّد مصطفیٰ آیا

آخر میں سلام کے چند شعر ملاحظہ ہوں:

سلام اے جلوۂ معنی، سلام اے نورِ قرآنی
سلام اے حرفِ رُوحانی، سلام اے نطقِ ربّانی
سلام اے آسمانِ قدس کے مہرِ جہاں آرا
سلام اے کیف و رنگِ نوبہار اے گلستاں آرا
سلام اے رحمتِ عالم، سلام اے سیّدِ والا
سلام اے فخرِ آدم، انبیا کے طرّۂ زیبا
سلام اے نورِ حق، اے شمعِ ظلمت خانۂ دنیا
سلام اے ساقیِ دریا دلِ میخانۂ دُنیا
سلام اے دستگیرِ بے کساں، اے ہادیِ اکرم
سلام اے دو جہاں کی زندگی کے محسنِ اعظم
سلام اے بیکسوں کو ارجمندی بخشنے والے
سلام اے پست حالوں کو بلندی بخشنے والے
سلام اے دیوِ باطل کی کلائی موڑنے والے
سلام اے آدمی کا حق سے رشتہ جوڑنے والے
سلام اے نازشِ فخر و وقارِ آدمِ فانی
سلام اے بزمِ تاریکِ جہاں میں شمعِ رُوحانی[۱]

---

[۱] "معارف" دسمبر ۱۹۵۹ء۔

ان اشعار میں شاعرانہ لطافت و دل آویزی کو باقی رکھتے ہوئے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و محامد اور امتیازات و کمالات کو اس قدر جامعیت و بلاغت کے ساتھ بیان کرنا جناب جگن ناتھ آزاد ہی کا حصہ ہے۔ اِس نظم کی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے اسلامی علوم کے مشہور فاضل و محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا ہے جس کو آزاد صاحب کے دوسرے نعتیہ کلام کے ساتھ ڈاکٹر صاحب نے HOMMAGE A MAHOMET کے نام سے شائع کر دیا ہے اور راوی پبلی کیشنز (برطانیہ) نے فروری ۱۹۹۳ء میں شمع میگزین پبلی کیشنز لمیٹڈ کے تعاون اور اشتراک سے پروفیسر جگن ناتھ آزاد کو غالب اکیڈمی نئی دہلی میں نعتیہ کلام پر اوّل انعام سے نوازا ہے، اس قدردانی سے متاثر ہو کر بزم ادب شعبۂ اُردو جموں یونی ورسٹی جموں بزمِ اُردو جموں، انجمن ترقی اُردو جموں اور یونی ورسٹی کے بعض اساتذہ اور طلبہ نے یہ فیصلہ کیا کہ آزاد صاحب کے اعزاز میں ایک ادبی تقریب مذاکرہ منعقد کی جائے۔

مثالیں کہاں تک پیش کی جائیں، ذیل میں چند نظموں کے محض عنوان لکھنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جن میں رنگِ حرم نمایاں ہے۔

محفلِ نعت میں ایک رات۔ ولادتِ پاک، شکوہ، نمازِ عصر (جو کربلا کے معرکۂ حق و باطل میں ادا ہوئی) تاریخِ ہند کا ایک واقعہ (اس کے اشعار حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ میں حاضری کے دوران میں کہے گئے) حضرت خواجہ سیّد نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہی، حضرت شیخ کلیم اللہ دلی جہاں آبادی قدس سرہٗ (یہ دونوں "جمہورنامہ" میں "ہندوستاں ہمارا" کے حصے ہیں)

ایسی نظموں کی تعداد بھی کم نہیں ہے جن میں اسلامی احساسات و جذبات موجزن ہیں اور جن کے اندر شاعر نے اسلامی تصورات و خیالات کی ترجمانی کی ہے مثلاً: ابو الکلام آزاد، ایک مشرقی رقاصہ کے نام، مرثیہ، قرطبہ سے ویلنشیا تک، اے کشورِ ہندوستاں، ایک لمحہ گول کنڈہ کے مقبروں میں وغیرہ۔ جناب جگن ناتھ آزاد کی غزلوں میں بھی اسلامی افکار و تصورات رچے بسے ہوئے ہیں اور ان میں مختلف اسلامی اصطلاحات و تلمیحات اور تاریخی

واقعات کا ذکر ہوتا ہے، ایک غزل کے تین اشعار ملاحظہ ہوں:

آگ انا الحق کی بھی ہے جلوۂ سرِ طور بھی ہے
آج لیکن کوئی موسیٰ بھی ہے منصور بھی ہے
اس کے سینے میں نہاں برقِ سرِ طور بھی ہے
ذرّۂ خاک میں ظلمت ہی نہیں نور بھی ہے
ذرّۂ خاک فقط پیکرِ ظلمت ہی نہیں
اسی ذرّے میں نہاں برقِ سرِ طور بھی ہے[1]

چند اور اشعار اِدھر اُدھر سے پیش کیے جاتے ہیں:

جہانِ نا آفریدہ میرے خیال میں جگمگا رہا تھا
میں خود اشارہ بنا ہوا تھا اشارۂ کُن مکاں سے پہلے
اِدھر میں وابستۂ ازل ہوں اُدھر ابد سے مرا تعلق
مرا فسانہ تھا ہر زباں پر فسانۂ دو جہاں سے پہلے[2]

اُلجھا کے دل کو فکرِ گناہ و ثواب میں
یہ ہم نے خود کو ڈال دیا کس عذاب میں[3]

رزّاقِ دو جہاں نے دیا بھی تو کیا دیا
اک دل دیا سو وہ بھی الم آشنا دیا[4]

---

[1] بوئے رمیدہ - ص ۸۱، ۸۲ -

[2] ایضاً - ص ۳۶ -

[3] ایضاً - ص ۳۶ -

[4] ایضاً - ص ۶۴ -

RekhtaDownload.com

جہنم ہو کہ جنّت ہو کہیں بھی ہو مگر یارب!
دِلوں سے آرزوئے عالمِ فانی نہیں جاتی[۱]

یاد آئی یہ مرے دل میں تری
کہ سلیماں کو صبا یاد آئی[۲]

جناب جگن ناتھ آزاد کی سب سے بڑی خصوصیت ان کے دل کی دردمندی و پاکبازی اور طبیعت کی شرافت اور خیال کی لطافت ہے، ان کا قلب اُلفت و محبّت اور بھلمنسائیت ہمدردی کے جذبات سے معمُور ہے، اس لیے انسانی شرافت کے زوال اور ہندوستان کی موجودہ پستی و کم ظرفی کو دیکھ کر وہ درد و الم کے طوفان میں ڈوب جاتے ہیں اور قوم کی زبوں حالی، ملک کی تباہی اور وطن میں بغض و حسد، نفرت و عداوت اور تعصّب و تنگ نظری کی بھڑکتی ہوئی آگ اور وحشیانہ فسادات پر آہیں بھرتے اور نالہ وزاری کرنے لگتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ ظلم و تشدد کا ماحول ختم ہو اور ہندوستان سچ مچ جنّت نشان بن جائے۔ جامع مسجد کا نور و یقیں انھیں یہ درد بھری صدا دینے پر مجبور کرتا ہے:

اس دَور میں کیا تجھ سے کرُوں ذکرِ زمانہ
اِس نے تو بنایا ہے حقیقت کو فسانہ
ہر تیر ہوا ہے خبر رنگِ نشانہ
ہر نالۂ ماتم نظر آتا ہے ترانہ
ممکن ہو تو اِس دَور کے انداز بدل دے
انساں کا ذرا ذوقِ تگ و تاز بدل دے[۳]

---

[۱] بوئے رمیدہ، ص ۱۲۶۔

[۲] ایضاً، ص ۱۴۰۔

[۳] نوائے پریشاں، ص ۱۶۔

ماہرِ اقبالیات جگن ناتھ آزاد کی شرافت و درد مندی اور نیکی و انسان دوستی میں اقبال کے "مردِ مومن" کا پَرتو ہے جس کی چھاپ اُن کے رنگِ حرم میں گہری ہو گئی ہے۔ اس لیے وہ ملک کے ابتر اور المناک واقعات و حالات اور تباہی و بربادی کے دلدوز مناظر کو دیکھ کر ایک مردِ حق آگاہ کی طرح تڑپ اُٹھتے ہیں۔ ملک کو آزادی ملی تو ہر طرف خون کی ندیاں رواں ہو گئیں۔ اور فرقہ واریت کے جنون میں جو خانماں بربادی و خانہ ویرانی ہوئی اس پر ان کے کرب اور بے چینی کا عالم دیکھیے:

بہار آتے ہی ٹکرانے لگے کیوں ساغر و مینا
بتا اے پیرِ میخانہ، یہ میخانوں پہ کیا گزری
کہو دَیر و حرم والو یہ تم نے کیا فسوں پھونکا
خُدا کے گھر پہ کیا بیتی، صنم خانوں پہ کیا گزری[1]

آزادی کے جلو میں بہار کی جگہ خزاں آئی اور رنگ و نور کے بجائے ظلمت و تیرگی کا سیلاب امنڈ پڑا، جہالت و نفرت کا بول بالا ہوا اور اخوت و ہمدردی کا نشان مٹ گیا، اس فضا میں آزاد صاحب کو گھٹن ہونے لگی اور وہ وحشت و بربریت کے اس ماحول سے گھبرا کر جہانِ نو کی تعمیر کا ولولہ و حوصلہ ظاہر کرنے لگے:

آزاد چل کوئی نئی دُنیا تلاش کر
جلوے یہاں بقدرِ مذاقِ نظر کہاں[2]

آزاد صاحب نے بے مقصد شاعری سے اپنے دامن کو ہمیشہ بچایا ہے اور وہ اس میدان میں اس لیے وارد ہوئے ہیں کہ دَیر میں رنگِ حرم نمایاں کریں اور عظمت و بلندی، نیکی و شرافت، وسیع المشربی اور انسان دوستی کے جن مونانہ اوصاف سے وہ متصف ہیں ان کی تبلیغ و اشاعت کریں انھوں نے اپنی شاعری کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے اپنے شاعرانہ مذاق اور ادبی نظریات

---

[1] بیکراں، ص ۱۹/ ۲۰۔

[2] بیکراں،

کو اس طرح واضح کیا ہے :

"اگست ۱۹۴۷ء تک شعر گوئی سے میرا تعلق سرسری اور گاہے گاہے کی ملاقات کا ساتھا . . . لیکن نہ جانے ۴۷ء کے کشت وخون اور اس کے بعد پیدا ہونے والے واقعات میں کیا بات پنہاں تھی کہ ایک بجلی کی طرح میرے ذہن پر چمکے اور ہمیشہ کے لیے اپنا اثر چھوڑ گئے، مجھے یوں محسوس ہوا کہ جذبات وخیالات کے بند چشمے تھے کہ اشارہ پاتے ہی پھوٹ پڑے ہیں - ایک برف زار تھا جو مہر نیم روز کی حلاوت کا محتاج تھا اور جب اس کی بھرپور کرنوں سے دوچار ہوا تو ایک سیلاب بن کر بہ نکلا" [1]

آگے لکھتے ہیں :

"میں نے ہندوستان، پاکستان، ایشیا اور یورپ میں نمودار ہونے والے واقعات کو بڑی دل چسپی، بڑی حیرت، بڑی مسرت، بڑے غم، بڑے شوق اور بڑی ندامت کے ساتھ دیکھا اور جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا اسے اس مقصد کے پیش نظر بیان کیا کہ اب خاموش رہنا کوتاہی ہے اور کامیابی ہو یا نہ ہو، انسانیت کے سمندر میں جس قدر بھی ممکن ہو - چاہے ایک قطرے کا یا اس سے کم ہی کیوں نہ ہو اضافہ کرنا اپنا فرض ہے —— چنانچہ اس کے بعد میں نے جو کچھ لکھا اسی جذبے کے تحت اور اسی مقصد کے پیش نظر۔ 'بیکراں' ۱۹۴۹ء کے آخر میں چھپی اس کے اوراق میں اس جذبے کی جھلک اکثر مقامات پر نظر آتی ہے اور مجھے خوشی ہے کہ وہ جھلک خواہ نظم کے لباس میں ہے یا غزل کے پردے میں، اہل نظر کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہی" [2]

اسی مجموعہ میں ان کی ایک طویل نظم "میرا موضوع سخن" درج ہے، اس میں انھوں نے

---

[1] ستاروں سے ذروں تک - ص ۱۱ -

[2] " " " ص ۱۲ - ۱۳

بتایا ہے کہ دنیا کے درہم برہم نظام، ملک میں بپا شورش و غوغا، ابتر حالات اور ہر سُو پھیلی ہوئی بدعنوانی اور انتشار کی وجہ سے انھوں نے اپنے فکرِ جمیل کو تخیل کے سمن زاروں سے الگ کر لیا ہے اگر دلوں کے دمکتے ستاروں سے دَورِ زمانے کے اندھیروں میں پناہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ اور ابر کے کیف اور مہتاب کے نظاروں سے ان کے افکار کا رشتہ ٹوٹ گیا ہے، ان کے نزدیک ایسے پُر آشوب دَور اور ہولناک ماحول کو نظر انداز کر کے کوئی دوسرا موضوع کیسے اختیار کیا جا سکتا ہے، تنوع اور رنگارنگی کی خاطر اصل مقصد کو ترک نہیں کیا جا سکتا، ان کے ذوقِ سخن اور ان کی حُسن پسند نگاہ کے ایک نقطہ ایک خیال اور ایک ہی ڈھب پر مرکوز ہونے کی وجہ یہی ہے۔

ایسے درد مند دل رکھنے والے، بے تعصب اور وسیع المشرب شاعر کے احساسات و جذبات میں اگر رنگِ حرم اتنا چوکھا اور مسلمانی کے جلوے اتنے تابدار ہو گئے ہیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ وہ خود کہتے ہیں:

میری یہی خطا ہے بس اے اہلِ بت کدہ
شمعِ حرم کا نور بھی میری نظر میں ہے[1]

(۲)

جگن ناتھ آزاد کی مملکتِ سخن کے حدود میں نظم کی طرح نثر کی اقلیم بھی داخل ہے اور یہ فیصلہ تو اہلِ نظر اور دیدہ ور نقاد ہی کریں گے کہ وہ بڑے شاعر ہیں یا بڑے نثر نگار راقم السطور کے نزدیک وہ بڑے شاعر بھی ہیں اور بڑے نثر نگار بھی، ان کے چمنستانِ شاعری کی سیر سے گو طبیعت آسودہ نہیں ہوئی تھی کہ عنانِ قلم کو ان کے نگار خانہ نثر کی طرف موڑنا پڑا تاکہ اس میں مستور رنگِ حرم کے نقش و نگار کا نظارا بھی

---

[1] بوئے رمیدہ، ص ۳۳۔

ہو جائے۔

آزاد صاحب کی اقلیمِ نثر کے حدود بیشتر اقبالیات کے ارد گرد پھیلے ہوئے ہیں اور وہ اس برِ صغیر میں علامہ اقبال کے سب سے بڑے عارف و شیدائی اور مبصر و محقق ہیں اور انھوں نے علامہ کے افکار و خیالات کی ترجمانی و اشاعت کا حق ادا کر دیا ہے اس لیے ہم آزاد صاحب کے سرمایۂ نثر کے اسی حصے کا جائزہ لینے پر اکتفا کریں گے جو اقبالیات سے متعلق ہے اور جس میں رنگِ حرم بہت نمایاں ہے۔

علامہ اقبال جگن ناتھ آزاد کے نہایت محبوب شاعر ہیں۔ اقبال اور کلامِ اقبال سے ان کی یہ دل بستگی بچپن سے چلی آرہی ہے[1] جب سے انھوں نے ہوش سنبھالا ہے اسی وقت سے علامہ اقبال کی شاعری سے انھیں شغف ہوا ہے[2] اور یہ دل بستگی اور شغف عمر کی پختگی کے ساتھ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ علامہ کی شاعری مختلف اصنافِ سخن پر مشتمل ہے، ان میں وطنی اور فلسفیانہ شاعری اور ظریفانہ کلام کے ساتھ ہی مذہبی شاعری کا عنصر بھی شامل ہے اس کے باوجود جگن ناتھ آزاد کو کلامِ اقبال سے عشق ہے بلکہ ان کے نزدیک اقبال کی عظمت اور ان کے کلام کی بلندی کا راز اسی میں مضمر ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

"اقبال کی نظم و نثر کا مطالعہ اس امر کا شاہد ہے کہ اقبال کے فکر و نظر کی بنیاد روحانیت پر ہے۔ اقبال دراصل ہمارے جہانِ شعر و ادب کا پیغمبر ہے[3]"

دوسرے ادیبوں اور نقادوں کی طرح وہ علامہ سے نہ تو اس بنا پر نفرت کرتے ہیں اور نہ ان کی عظمت سے انکار کرتے ہیں کہ علامہ اسلام سے محبت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] محمد اقبال: ایک ادبی سوانح حیات، حرفِ اول ص ۸۔

[2] اقبال اور اس کا عہد۔ ص ۱۱۔

[3] اقبال اور کشمیر۔ حرفِ اول۔ ص ۹۔

سے والہانہ عشق ہے بلکہ وہ ان لوگوں کی تردید کرتے ہیں جو علامہ کی مذہبی شاعری کی وجہ سے انھیں مطعون کرتے اور ان کی ذات کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں، ان کے نزدیک اقبال کا مذہبی تشغف اس لیے بہت قابلِ قدر، و قابلِ احترام ہے کہ اس کی اور اسلام کی ابدی و آفاقی تعلیم کی بدولت اقبال کو وحدتِ آدم کا سبق ملا ہے جس نے ان کے دل میں بنی نوعِ انسان کی ہمدردی و محبت کا شریفانہ جذبہ موجزن کر دیا ہے۔ اس لیے جو لوگ اس کو ناپسندیدہ قرار دیتے ہیں آزاد صاحب انھیں خود تعصب اور کم نظری کا شکار بتاتے ہیں، انھوں نے ترقی اردو بیورو نئی دہلی کی فرمائش پر بچوں کے لیے ایک مختصر کتاب "اقبال کی کہانی" کے نام سے لکھی ہے، اس میں بھی اقبال کی شاعری کے اس پہلو کو سراہا اور قابلِ قدر بتایا ہے، لکھتے ہیں:

> "قرآن اور رسولؐ سے اقبال کی محبت عشق کے درجے تک پہنچی ہوئی تھی اور اس محبت نے اقبال کے دل پر یہ حقیقت روشن کی کہ یہ ساری کائنات ایک ہی خدا کی مخلوق ہے اور اس میں ہر شخص کے ساتھ پیار اور محبت سے پیش آنا چاہیے۔ چنانچہ اقبال نے ساری عمر اسی نظریے کی تعلیم دی۔"[1]

اسی حقیقت کو مزید وضاحت کے ساتھ دوسری جگہ یوں بیان کرتے ہیں:

> "اسلام کی محبت اقبال کے رگ و ریشہ میں رچی ہوئی تھی۔ یہ کیفیت اقبال کے کلام میں اوّل سے آخر تک نمایاں ہے، لیکن یہ اقبال اور کلامِ اقبال سے بے اعتنائی برتنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، نہ ہی اس بنا پر ہم اقبال کے نظریات کو رد کرنے کا حکم صادر فرما سکتے ہیں، ملٹن اور دانتے عیسائیت کی محبت سے سرشار تھے اور تلسی داس اور رابندر ناتھ ٹیگور کے کلام میں ہندو دھرم سے عشق بے پایاں کا ایک جذبہ کارفرما نظر آتا ہے، عشقِ مذہب، عشقِ بنی نوعِ انسان تک پہنچنے کا ایک صالح ذریعہ ہے، ان دونوں میں اگر دیکھنے والوں کو تضاد نظر آئے تو اسے کم نظری کے سوا اور کسی بات پر محمول کیا جا سکتا ہے۔"[2]

---

[1] اقبال کی کہانی، ص ۷۔

[2] اقبال اور اس کا عہد۔ حرفِ اوّل ص ۱۲ - ۱۳۔

اقبال جلال الدین رومی کی عقیدت کا دم بھرتے اور انھیں اپنا پیر و روشن ضمیر مرشد کہتے ہیں، عالمِ خواب میں ان سے اہم امور و مسائل کے بارے میں استفسارات کرتے اور رہنمائی کے طالب ہوتے ہیں، اس کے باوجود ان سے اور تمام انسانوں سے زیادہ انھیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت ہے، جگن ناتھ آزاد صاحب ان کے اس قابلِ قدر جذبۂ عشقِ رسول کا ذکر جس طرح کرتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خود بھی عشقِ نبی میں گرفتار ہیں، ایک جگہ مولانا روم کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"اقبال کی تصانیف کا مطالعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے بعد اقبال نے جس انسان کی عظمت کو تسلیم کیا ہے وہ رومی ہیں[1]"

علامہ اقبال کے مذہبی جذبات میں جن اثرات کی بھی کارفرمائی رہی ہو لیکن اسلام سے ان کے شغف کو مغربی فکر و فلسفہ کے مطالعہ نے دوآتشہ کر دیا، یورپ جانے کے بعد انھوں نے قرآنِ مجید کا گہرا مطالعہ کیا اور اس کی تعلیمات کی عظمت و برتری کا نقش ان کے دل پر اور سوا ہو گیا۔ یورپ کے اندازِ حکومت اور طرزِ سیاست نے ان کو اس کا شدید مخالف اور اسلام کا مکمل حامی بنا دیا۔ یورپ کی تفریقِ ملل کی حکمت، اقوامِ عالم کے استحصال اور "پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیمِ مساوات" جیسے گھناؤنے طرزِ عمل نے "اسلام کا مقصود فقط وحدتِ آدم" پر ان کے عقیدے کو زیادہ راسخ کر دیا تھا اور چونکہ یورپ کی اس جارحانہ سیاست کا نشانہ اُس وقت خاص طور پر مسلمان اور اس کی حکومتیں تھیں اس لیے علامہ اقبال کو ان کے بارے میں زیادہ فکر و تشویش ہوئی اور انھوں نے مسلمانوں اور ان کے حکمرانوں میں آزادی و بیداری کی روح بھی پھونکنی چاہی اور انھیں اتفاق و اتحاد کی دعوت بھی دی، جگن ناتھ آزاد صاحب نے ان امور کی توضیح و تجزیہ بالکل صحیح پس منظر اور مناسب انداز میں کیا ہے جس سے مغرب کے استبداد، ریشہ دوانی، ایشیا کی بالخصوص مسلم ملکوں کو اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کا کھیل پوری

---

[1] اقبال اور اس کا عہد، ص ۳۶۔

طرح سامنے آجاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"علامہ اقبال ۱۹۰۵ء میں یورپ گئے، وہاں تین برس کے دورانِ قیام میں انھوں نے ایک طرف یورپی ممالک کو اپنی ہوسِ اقتدار میں ایک دوسرے کے خون کا پیاسا دیکھا اور دوسری طرف وہ سب ممالک بالخصوص برطانیہ ایشیا خصوصاً مسلم ممالک کے ساتھ ناگفتنی سلوک کر رہے ہیں، ایک مسلم ملک کو دوسرے مسلم ممالک کے خلاف صف آرا کرنے کے لیے بہانے ڈھونڈ رہے تھے، یورپ تمام ملکوں کو ایک دوسرے سے علٰحدہ کر کے ان پر اپنا شکنجہ مضبوط سے مضبوط تر کیے جا رہا تھا اس کے نتیجہ میں ترکی کے حصے بخرے کر ڈالے گئے اور وہ اپنی حفاظت کے قابل نہیں رہا، انگریزوں نے طرابلس پر حملہ کیا تو یہ اسے بچانے کے لیے فوج نہ بھیج سکا، ایران پوری طرح روس اور برطانیہ کے زیرِ اثر تھا۔ افغانستان یورپ کے دام میں اس طرح پھنس گیا تھا کہ اس سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں رہ گئی تھی، سوڈان اور مصر پر انگریز کا اقتدار باقاعدہ مستحکم ہو چکا تھا۔ الجیریا اور ٹیونس فرانس کے زیرِ نگیں تھے، مراکش کی آزادی جانے والی تھی، الجزائر کے مسلمان ڈچ کے پنجہ آہنی میں جکڑے جا چکے تھے۔ اقبال ان حالات کا دردمندی سے مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلم ممالک میں جب تک اتحاد نہیں ہوتا تب تک وہ یورپ کی غلامی سے آزاد نہیں ہو سکتے"[1]

جگن ناتھ صاحب کے نزدیک اِن ممالک میں اتحاد کے لیے ایک روحانی رشتے میں منسلک ہونا ضروری تھا اور یہ روحانی رشتہ ان کے خیال میں بجاطور پر صرف اسلام کا ہمہ گیر تصور ہی ہو سکتا تھا۔ اس بارے میں وہ اقبال کے نقادوں کے اس رویے کی مذمت کرتے ہیں کہ یورپ سے واپسی کے بعد وہ وطنیت کے مخالف ہو گئے اور اس کی جگہ انھوں نے

---

[1] اقبال اور اس کا عہد، صفحہ ۲۵، ۲۶۔

اسلام کے ہمہ گیر نظریہ کو دی۔ آزاد صاحب کی رائے میں اسلام کا یہ ہمہ گیر نظریہ ان کے ترانۂ ہندی میں بھی موجود ہے جس کا جب بھی اور جہاں بھی ذکر ہوتا ہے تو یہ کہا جاتا ہے کہ یورپ جانے کے بعد ان کے اس نظریہ میں تبدیلی رونما ہوئی اور ان کی شاعری نظریۂ وطن کی حلقہ بندیوں سے آزاد ہو کر اسلامی عقائد کی وسیع فضا میں سخن آفرینیاں کرنے لگی۔

جگن ناتھ آزاد صاحب اس تنقید کو سطحی قرار دیتے ہوئے یہ بتاتے ہیں کہ اقبال وطنیت کے کس تصور کے خلاف تھے، وہ ترانۂ ہندی کو اقبال کے دورِ وطنیت یا ایامِ کفر کی یادگار بتلانے والوں کو ان کے اس شعر کی جانب متوجہ کرتے ہیں:

اے آبِ رودِ گنگا وہ دن ہیں یاد تجھ کو
اُترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

اور بتاتے ہیں کہ یہ شعر اسلامی دل کی خصوصی تڑپ کا نتیجہ ہے۔

جناب جگن ناتھ نے آگے اسلام اور وطنیت کے متعلق علامہ اقبال کے متوازن افکار و خیالات بیان کیے ہیں وہ اس کا ثبوت ہے کہ آزاد صاحب علامہ اقبال کے خیالات کی بہترین ترجمانی کے علاوہ اسلام کی اصل رُوح و حقیقت سے بھی واقف ہیں اور ان کی نظر سے اسلام، اور مغرب کے تصورِ وطنیت کا فرق پوشیدہ نہیں ہے، ان کے خیال میں وطن کے حدود اور اسلام کے حدود اس لیے مختلف ہو گئے ہیں کہ یورپ نے وطنیت کو ایک عقیدہ و نظریہ بنا دیا ہے جو خلقِ خدا کو تقسیم کر کے اپنے ذاتی اغراض کی تکمیل اور سیاسی اقتدار کو مستحکم کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اقبال کے جو شارحین ان کو وطنیت کا مخالف یا وطنیت کو اسلام کی ضد قرار دیتے ہیں، جگن ناتھ آزاد ان کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"اقبال نے وطنیت کو کبھی اسلام کی ضد قرار نہیں دیا بلکہ وطنیت کے اس سیاسی اقتدار کو اسلام کی ضد قرار دیا ہے جس سے ہمارے دل میں خرابیوں کے لیے راستہ کھلتا ہے، یہ وہی مکروہ سیاسی تصور ہے جس سے مخلوقِ خدا غلط طریقے سے بٹ جاتی ہے اور جب قومیت اسلام کی جڑ کاٹتی ہے، وطن کے سیاسی تصور سے علامہ اقبال یہ مراد لیتے ہیں کہ اسے ایک آخری سیاسی

نصب العین تصور کیا جائے، اگر وطن کے تصور کے ساتھ یہ بدعت وابستہ نہ ہو تو تصورِ وطن کے تصورِ اسلام سے ٹکرانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔[1]

مذہب و سیاست کی تفریق یا مذہب کو انفرادی معاملہ سمجھنا بھی یورپ ہی کی دین ہے جو اسلامی تصور کے منافی ہے۔ اِس بحث میں مادہ و رُوح اور اسلام، خدا، کائنات اور کلیسا وغیرہ کی وحدت کے متعلق اقبال کے خیالات کی بہتر وضاحت کرکے آزاد صاحب نے اس کا ثبوت دیا ہے کہ ان کا مطالعۂ اسلام وسیع و عمیق ہے، اسلامی الٰہیات کے ماہر فضلا اور داتیف کار مُلکان مصنفین بھی مسائل الٰہیات کی تعبیر اس سے اچھی اور کیا کریں گے۔ جگن ناتھ صاحب کی تعبیر و تشریح سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کے علاوہ انھوں نے دوسرے مذاہب اور ان کے فلسفہ کا مطالعہ بھی بڑے غور و خوض سے کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"آنسوے افلاک" جاوید نامہ کے اہم ترین ابواب میں سے ہے اور اس کی اہمیت اِس رمز میں نہاں ہے کہ اقبال نے اس میں حیات و موت کے مسئلے پر بحث کی ہے۔ حیاتِ جاوداں کی حقیقت سے پردہ اُٹھایا ہے اور فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول کی تشریح کی ہے اور جہاں تک مسئلہ کشمیر کا تعلق ہے اسے محض ایک سیاسی کشمکش کا رنگ دے کر منزلِ آزادی کے رہرووں کے لیے فقط دنیاوی راستہ پیش نہیں کیا ہے بلکہ اسے دین کے ساتھ وابستہ کرکے اسے ایک رفعت اور عظمت عطا کی ہے۔

دراصل دنیا میں سیاست کے دو پہلو رہے ہیں، ایک کی بنیاد جوع الارض ہے اور دوسرے کی حُبِّ آدم ... جاوید نامہ کا زیرِ نظر باب اسی حُبِّ آدم ہی کی تشریح و تفسیر ہے۔"[2]

اِس پر حاشیے میں یہ فکر انگیز اور بصیرت افروز نوٹ قلمبند کیا ہے:

" اقبال نے اپنے ان خیالات کا اظہار اس خطبہ صدارت میں بھی کیا ہے جو

---

[1] اقبال اور اس کا عہد۔ ص ۲۹۔

[2] اقبال اور کشمیر، ص ۱۷۱۔

۱۹۳۰ء میں انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں پڑھا اور جو آج مطالعۂ اقبال کے سلسلے میں انتہائی متنازعہ فیہ تحریر سمجھی جاتی ہے اِس میں اقبال لکھتے ہیں "سرزمینِ مغرب میں مسیحیت کا وجود محض ایک رہبانی نظام کی حیثیت رکھتا تھا، رفتہ رفتہ اس سے کلیسا کی ایک وسیع حکومت قائم ہوئی۔ اگر مذہب کا تصور یہی ہے کہ اس کا تعلق صرف آخرت سے ہے اور دنیوی زندگی سے اسے کوئی سروکار نہیں تو جو انقلاب مسیحی دُنیا میں رُونما ہوا ہے وہ ایک طبعی امر تھا، مسیح کا عالمگیر نظامِ اخلاق نیست و نابود ہو چکا ہے اور اس کی جگہ اخلاقیات و سیاسیات کے قومی نظامات نے لے لی ہے اِس سے اہلِ مغرب بجا طور پر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مذہب کا معاملہ ہر فرد کی اپنی ذات تک محدود ہے اور اسے دنیوی زندگی سے کوئی تعلق نہیں لیکن اِسلام کے نزدیک ذاتِ انسانی بجائے خود ایک وحدت ہے، وہ مادے اور رُوح کی کسی ناقابلِ اتحاد ثنویت کا قائل نہیں، اِسلام کی رو سے خدا اور کائنات کلیسا اور ریاست روح اور مادہ ایک ہی کُل کے مختلف اجزا ہیں انسان کسی ناپاک دُنیا کا باشندہ نہیں جس کو اسے ایک روحانی دُنیا کی خاطر جو کسی دوسری جگہ واقع ہے۔ ترک کر دینا چاہیئے، اِسلام کے نزدیک مادہ روح کی اس شکل کا نام ہے جس کا اظہار قیدِ زمانی و مکانی میں ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغرب نے مادے اور روح کی ثنویت کا عقیدہ بلا کسی غور و فکر کے مانویت کے زیرِ اثر قبول کر لیا ہے دراصل یہ رُوحانی اور دنیوی زندگی کا غلط امتیاز ہے جس سے مغرب کے سیاسی اور مذہبی افکار بیشتر طور پر متاثر ہوئے ہیں۔ اور جس سے یورپ کی مسیحی ریاستوں نے عملاً مذہب سے کلیتاً علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ اِس سے چند متفرق اور بے ربط سلطنتیں قائم ہو گئی ہیں جن پر کسی انسانی جذبے کے بجائے قومی اغراض کی حکمرانی ہے" [1]

---

[1] اقبال اور کشمیر، ص ۱۷۱، ۱۷۲۔

ڈاکٹر محمد اقبال کا درد مند دل اسلام اور عالم اسلام کے مصائب پر جس طرح تڑپتا اور بے چین رہتا تھا اور مسلمانوں کی پسپائی اور ہزیمت سے ان پر جو کچھ گزرتی اس کا جاننے والا جناب جگن ناتھ آزاد سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"سنہ ۱۹۱۰ء کے آتے ہی بلقان اور طرابلس میں وہ ہنگامے شروع ہوئے کہ اسلامی دنیا لہولہان ہوگئی۔ استنبول میں شمعِ خلافت بادِ مخالف کے جھونکوں کی تاب نہ لاکر بجھنے کے قریب آچکی تھی، اقبال کا دل عالم اسلام کی اس اندوہ ناک حالت کو دیکھ کر تڑپ اٹھا اور ان کے دل سے نالے دردانگیز نظمیں بن کر نکلے۔ ۶ر اکتوبر سنہ ۱۹۱۱ء کو انھوں نے اپنی تاریخی نظم "خونِ شہدا کی نذر" جو اب "بانگِ درا" میں "حضور رسالت مآب میں" کے عنوان سے شامل ہے۔ شاہی مسجد لاہور کے ایک عظیم اجتماع میں پڑھی، یہ ایک دردانگیز نظم ہے اور اس نے سننے والوں کے دل ہلا دیے"[۱]

جگن ناتھ آزاد صاحب اسلام سے اقبال کے تعلق و محبت کو فخر کے ساتھ برملا اور علی الاعلان بیان کرتے ہیں اور ان کے ناقدین کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے کہ اس سے ان کی جبینوں پر شکن پڑ جائے گی۔ لکھتے ہیں کہ "اقبال کے نزدیک اسلامی زندگی قربانیوں کا ایک عظیم الشان سلسلہ ہے۔ ایک دفعہ محمد الدین فوق نے اقبال کے اسلامی تصورات کے متعلق کچھ سوالات کیے علامہ نے ان کے جو جوابات دیے تھے فوق صاحب نے اسے اپنے ہفتہ وار کشمیری میں "مسلمانوں کے امتحان" کے عنوان سے شائع کیا، اس میں اقبال نماز کو قربانی قرار دیتے ہیں اور اس کی ادائیگی میں پانچوں وقت کی مشقت و تکلیف کا ذکر کرکے بتاتے ہیں کہ اللہ نے دن میں پانچ مرتبہ مسلمانوں کو آزمایا ہے کہ وہ میری راہ میں اپنا وقت اور اپنا آرام قربان کر سکتے ہیں یا نہیں، اس کے بعد زکوٰۃ و صدقات، روزے، حج اور جہاد کی فرضیت کو بھی اللہ کی جانب سے آزمائش اور قربانی بتایا ہے اور آخر میں لکھا ہے:

---

[۱] محمد اقبال: ایک ادبی سوانح حیات۔ ص ۸۰۔

"غرض ارکانِ اسلام کی پابندی مسلمانوں کا ایک عظیم الشان امتحان ہے اور در اصل اسی کا نام اسلامی تصوف ہے کیونکہ شعائرِ اسلام کی پابندی سے بدرجہ کردہ تدریجی تربیت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس میں تبتل الی اللہ کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔"[۱]

جگن ناتھ آزاد صاحب نے علامہ اقبال کی یہ تحریر جس دلچسپی اور پسندیدگی سے نقل کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خود بھی شعائر اسلام کے ان حقائق و نکات سے آگاہ ہیں چنانچہ اس مختصر تحریر کو وہ بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر بتاتے ہیں۔[۲]

علامہ اقبال کو اسلام کے احکام و ہدایات کی عظمت و تقدس کا جو احساس و لحاظ تھا اُسے بھی جگن ناتھ آزاد صاحب ان کے محامد میں نقل کر کے اسلامی تعلیم و ہدایت کی مرتبہ شناسی کا ثبوت دیتے ہیں، ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"۱۹۳۳ء میں اعلیٰ حضرت نادر شاہ نے ڈاکٹر اقبال، سر راس مسعود اور سید سلیمان ندوی کو اس غرض کے لیے کابل آنے کی دعوت دی کہ وہ افغانستان کے لیے ایک تعلیمی ڈھانچہ تیار کریں، اس سفر میں سر راس مسعود کی بیگم نے اپنے شوہر کے ساتھ چلنے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن اقبال نے یہ کہہ کر انھیں روک دیا کہ ہم لوگ ایک مسلمان ملک کے لیے تعلیمی نقشہ مرتب کرنے کے لیے جا رہے ہیں اس وفد میں ایک مسلمان بے پردہ خاتون کی موجودگی اہلِ افغانستان پر کوئی اچھا اثر نہیں ڈالے گی۔"[۳]

---

[۱] اقبال اور کشمیر، صفحات ۳۰ ، ۳۱ - بحوالہ انوارِ اقبال۔

[۲] ایضاً ۔ ص ۳۱ ۔

[۳] محمد اقبال : ایک ادبی سوانح حیات ۔ ص ۱۲۰ ۔

آزاد صاحب ڈاکٹر صاحب کے اِس خاص امتیاز کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ وہ اسلام کی غلط تعبیر و تشریح اور اسے صحیح رنگ میں نہ پیش کرنے پر اپنے خاص رنج و ملال کا اظہار کرتے تھے اور ان غلط فہمیوں کو دُور کرنے کے لیے اسلام کی صحیح اور درست تعبیر پر زور دیتے تھے چنانچہ جب ان کے مطالعے میں تعلیمِ اسلام کے متعلق بعض ایسی کتابیں آئیں جن کا کوئی تعلق ان کے نزدیک اسلام سے نہیں تھا تو انھیں اس سے انقباض ہوا، آزاد صاحب اسی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"یہی وہ زمانہ تھا جب انھوں نے شیخ محی الدین ابنِ عربی کی خصوص الحکم اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی حکمت الاشراق کا متعدد بار بالاستیعاب مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اگرچہ ان بزرگوں کے علم و ذوق میں کوئی کلام نہیں لیکن ان کتابوں میں اکثر مندرجات کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے"[1]

شیخ ابنِ عربی اور شیخ سہروردی کے علاوہ اسلام سے متعلق اقبال نے دوسرے بہت سے لوگوں کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کا بھی ازالہ کیا ہے، جگن ناتھ آزاد صاحب اس کے متعلق لکھتے ہیں :

"اسلام کے بارے میں ایک اور مسئلہ جس نے انھیں (علامہ اقبال کو) پریشان کیے رکھا یہ تھا کہ دُنیا کے بعض حصّوں میں اکثر مصنفین اسلام کو غلط رنگ میں پیش کر رہے تھے چنانچہ انھوں نے اپنے مقالات اور لیکچروں کے ذریعے سے اسلام کے بارے میں اکثر و بیشتر غلط فہمیوں کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے"[2]

ابنِ عربی کا نام آتے ہی تصوّف اور وحدۃ الوجود کے مباحث سامنے آجاتے ہیں جو علامہ اقبال کے محبوب اور پسندیدہ موضوعات ہیں اسی لیے جنابِ آزاد کو بھی ان کی

---

[1] اقبال اور کشمیر، صفحہ ۳۰-۳۱۔

[2] ایضاً۔

جانب متوجہ ہونا پڑا اور انھوں نے انھیں بڑے سُلجھے اور دل نشیں انداز میں پیش کیا ہے، اِس سے جہاں ان کی باخبری کا اندازہ ہوتا ہے وہاں یہ تعجب بھی ہوتا ہے کہ عارف و سالک سے نہ سننے کے باوجود ان کو سرِ خدا سے کس طرح آگاہی ہوگئی، ہم کو ان کی بادہ خواری کا علم نہیں ہے اس لیے ہم انھیں ولی سمجھنے کے لیے مجبور ہیں۔

وحدت الوجود کا مسئلہ بڑا پیچیدہ اور نازک ہے، کثرتِ تعبیر نے اِسے اُلجھا کر ایک گورکھ دھندا بنا دیا ہے لیکن یہ ایک محرم آشنا دل نشیں کا اعجاز ہے کہ وہ وحدۃ الوجود کے مسئلہ کی حقیقت کو خود بھی اچھی طرح سمجھتا ہے اور دوسروں کو بھی اچھی طرح سمجھاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"وحدت الوجود کا نظریہ ایک طرح سے بعض نظریات کا ردِ عمل ہے وہ نظریات ہیں شرک یا کثرت پرستی اور اور کثرت جوہر ایک جانب، اور مذہبِ فطرت دوسری جانب۔ شرک یا کثرت پرستی یا اصنام پرستی کے نظریہ کے مطابق متعدد خداؤں کے وجود کو تسلیم کیا گیا ہے جو فطرت کے متعدد شعبوں کے مالک و نگراں تصوّر کیے جاتے ہیں، نظریہ وحدۃ الوجود ایک خدا کی ہستی کو تسلیم کرتا ہے اور یہیں سے ہمہ اوست اور ہمہ از اوست کے نظریات چلتے ہیں کثرتِ جوہر کا نظریہ دنیا کی بنیادی وحدت کی نفی کرتا ہے اور ایک ذاتِ مطلق کا تصوّر پیش کرتا ہے جہاں کثرتِ جوہر، وحدت کو کثرت پر قربان کرتا ہے وہاں وحدۃ الوجود کثرتِ جوہر کو وحدت کی کھٹی میں جلا دیتا ہے، دینِ فطرت کے مطابق خدا کی ہستی دنیائے زمان و مکاں سے کہیں آگے ہے، چنانچہ خدا کو لامحدود اور غیر فانی اور دُنیا کو محدود اور فانی تسلیم کیا گیا ہے، وحدۃ الوجود کا تصوّر دوسری حد تک پہنچا ہے یعنی

یہ کہ خدا حدود زمان و مکاں سے کہیں باہر نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہے خدا ہے اور خدا ہی سب کچھ ہے اور خدا اور کائنات دونوں لازم و ملزوم ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ خدا ایک حقیقت ہے اور کائنات اس کا ایک غیر حقیقی پرتو۔ کائنات کی اپنی حقیقت نہیں ہے، اس کی حقیقت خدا ہی کی حقیقت ہے، اس کی حقیقت محض ایک پرتو یا بعض کے نزدیک وہم و طلسم ہے۔[1]

اقبال کے مطالعہ میں یہ بات بھی آئی کہ شیخ اکبر وغیرہ کی کتابوں کے اکثر مندرجات کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں، اس کی وجہ سے وہ ان حضرات کے شدید مخالف تھے۔ مگر بعد میں انھوں نے ان کے نظریے کی شدید مخالفت ترک کر دی تاہم وہ ان کے پوری طرح حامی نہیں ہو سکے اس کی تفصیل بھی آزاد صاحب کی زبانی سنیئے اور دیکھیے کہ وہ وحدۃ الوجود کے پیچیدہ مسئلے کو کس قدر سہل انداز میں پیش کرتے ہیں:

"اقبال ایک زمانہ تک شنکر اچاریہ اور شیخ اکبر کی تعلیم وحدۃ الوجود کو ایک ہی سمجھتے رہے اور دونوں کو غیر اسلامی کہتے رہے لیکن جب ان پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ شیخ موصوف اور شنکر اچاریہ اس نکتے پر تو متفق ہیں کہ حقیقی معنی میں صرف حق تعالیٰ ہی موجود ہے لیکن اس کے علاوہ دیگر امور میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور شیخ اکبر نے قرآن و حدیث ہی کو اپنے نظام کا ماخذ بنایا ہے تو انھوں نے شیخ اکبر کے نظریے کی شدید مخالفت ترک کر دی لیکن ایک بنیادی فرق شیخ اکبر اور علامہ اقبال کی تعلیم میں آخر تک رہا اور وہ فرق عقیدے کا نہیں بلکہ طریق کار کا ہے شیخ محی الدین ابن عربی انائے مطلق کو اصل قرار دے کر انائے مقیدہ کو اس کی ایک شان قرار دیتے ہیں لیکن اقبال انائے مطلق کے عوض انائے مقیدہ کو اپنی فکر کا اساسی نقطہ بناتے ہیں یعنی وہ خودی

---

[1] اقبال اور اس کا عہد۔ ص ۶۹-۷۰

سے خُدا تک پہنچتے ہیں . . . یہی خودی جب شنکراچاریہ
اور منصور کے یہاں آ کر خُدا بنتی ہے تو اقبال اس نظریۂ
وحدۃ الوجُود سے کُلی طور پر بیزاری کا اظہار کرتے ہیں "۔[1]

وحدت الوجود کی طرح تصوّف کی اقبال کی موافقت و مخالفت کی نوعیت و حقیقت بھی پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے نہایت صحیح انداز میں واضح کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ انھیں اسلام اور تصوّف کی حقیقت د تاریخ سے کماحقہٗ واقفیت ہے . . . ملاحظہ ہو :

"اقبال تصوّف کے خلاف نہیں تھے بلکہ اس تصوّف کے خلاف تھے جسے انھوں نے غیر اسلامی تصوّف سے تعبیر کیا ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی تصوّف کیا ہے کیونکہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس کے ابتدائی زمانے میں کہیں بھی تصوّف یا صوفی کی اصطلاحیں نظر نہیں آتیں، قرآن اور حدیث تصوّف" کے لفظ تک سے آشنا نہیں، یہ لفظ دوسری صدی ہجری میں عربی زبان میں داخل ہوا اور یوں بھی تصوّف یا ویدانت ایک خاص ہندوستانی نظریۂ حیات ہے"۔[2]

اقبال کی شاعری اور فلسفہ درس و پیام اور جہد وجہاد اور عمل کوشی کی دعوت ہے، وہ فرار، ترکِ دنیا، بے عملی اور عزلت نشینی کو اسلام کے خلاف سمجھتے ہیں جب کہ تصوّف کے اثر سے مسلمانوں میں یہی باتیں داخل ہوگئی ہیں اس لیے وہ اس تصوّف کے مخالف ہیں جگن ناتھ آزاد نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی اقبال شناسی کے علاوہ اسلام اور تصوّف پر گہری نظر کا نتیجہ ہے اور اسے اسلام کے خلاف سمجھتے ہیں۔

---

[1] اقبال اور اس کا عہد۔ صد ۸۲۔

[2] ایضاً ص ۶۲ - ۶۳ -

"اصل میں اقبال نے اپنے دور میں اسلام اور مسلمانوں کی حالت پر غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ حقیقتوں سے فرار کی تعلیم نے مسلمانوں کی قوتِ عمل کو فنا کر دیا ہے اور نتیجتاً مسلمانوں کے دین ادب سے بوئے رہبانی آنا شروع ہو گئی ہے۔ یہ فرار اور گریز کی تعلیم کہاں سے آئی، قرآن حکیم تو انسان کو عملِ صالح کی تعلیم دیتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ تعلیم تصوف کے اس بظاہر دلکش لیکن بباطن خطرناک راستے سے آئی ہے جو ادبیات، فنونِ لطیفہ اور زندگی کے دوسرے شعبوں پر مسلط ہو چکا ہے"[1]

آگے بتاتے ہیں کہ اقبال تصوف کے کن عناصر کے گرویدہ ہیں:

"اقبال نے تصوف میں سے زندہ و پائندہ عناصر چن کر اسلام کو واپس لوٹائے، اسلامی اور غیر اسلامی تصوف میں ایک واضح لکیر کھینچی اور اسلام اور بنی نوع انسان کی ایک بہت بڑی خدمت انجام دی ہے"[2]

اقبال کے صوفیانہ لب و لہجے کے عنوان سے جگن ناتھ آزاد صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس سے اسلام اور متعلقاتِ اسلام سے ان کی باخبری اور مختلف اسلامی شخصیتوں کے علمی، فکری اور دینی کارناموں سے ان کی واقفیت کا پتہ چلتا ہے، اس میں انھوں نے جن مسلمان حکما، فلاسفر، متکلمین اور صوفیہ کے افکار و خیالات نقل کیے ہیں ان کے ناموں کی فہرست درج کی جاتی ہے۔

رومی، حافظ، نظیری، امیر خسرو، خواجہ میر درد، جامی، عطار، سنائی، اوحد الدین کرمانی، فخر الدین عراقی، ابنِ تیمیہ، واحد محمود، ملا محسن فانی کشمیری، حافظ شیرازی

---

[1] اقبال اور اس کا عہد، صہ ۶۶

[2] ایضاً صہ ۶۸

علاؤالدولہ سنجانی، جنید بغدادی، محی الدین ابن عربی، منصور حلاج، امام ربانی، مجدد الف ثانی شیخ محمود شبستری، ابوالعلا معری، عمر خیام اور غالب وغیرہ

یہ نام صرف ان کی تصنیف "اقبال اور اس کا عہد" سے گنائے گئے ہیں، ان کی دوسری تصنیف "اقبال اور کشمیر" کا ایک پورا باب "شاہ ہمدان کے حضور میں" جگن ناتھ صاحب کے اسلامی افکار و تصورات سے واقفیت کا نتیجہ ہے، انھوں نے اقبال سے متعلق اپنی تصانیف و مقالات میں جابجا ان کی محبتِ اسلام، عشقِ رسول اور قرآن مجید سے اُلفت کا ذکر والہانہ انداز میں اس طرح کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے یہ دیر نشیں بھی رمز آشنائے روم و تبریز ہے۔

جناب جگن ناتھ آزاد کی معرکۃ الآرا تصنیف "اقبال اور مغربی مفکرین" بھی اسلامی احساسات اور حقیقت پسندانہ خیالات کی ترجمان ہے، اس میں انھوں نے اسلامی افکار و تصورات کو اشتراکی نظریات سے ممیز کر کے دونوں کا جو عالمانہ اور معروضی تجزیہ کیا ہے وہ بڑا اہم اور غور طلب بھی ہے اور اسلام و اشتراکیت کی حقیقت شناسی اور دونوں میں ان کی بصیرت کا ثبوت بھی ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں بھی اعلانیہ یہ بات دہرائی ہے کہ اقبال کے کلام پر اسلامی تفکر کی چھاپ ہے لیکن اس سے یہ اخذ و استنباط ان کے نزدیک درست نہیں ہے کہ اسلامی رنگ و اثر کی وجہ سے وہ مشرق و مغرب کے اور تمام فکری دھاروں سے بے نیاز رہے ہیں، اپنے مدعا کو واضح کرنے کے لیے آزاد صاحب نے بعض مغربی فلسفیوں کے ساتھ اقبال کے ذہنی قرب و بعد کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ اقبال نے ان کے افکار کا اثر کس حد تک قبول کیا اور کہاں کہاں اقبال کے نظریات ان مفکرین کے نظریات سے متصادم ہوئے۔

اقبال کے مارکسزم کا اثر قبول کرنے اور انقلاب روس کا خیر مقدم کرنے کا ذکر کرتے ہوئے آزاد صاحب نے ان لوگوں کے خیال کو غلط بتایا ہے جو انھیں اشتراکی قرار دیتے ہیں، وہ اقبال کی متعدد تحریریں پیش کر کے پروفیسر آل احمد سرور کے اس خیال کی مدلل تردید کرتے ہیں کہ "ان (اقبال) کی روح اشتراکی ہے، وہ اسلامی سوشلسٹ تھے"، چنانچہ لکھتے ہیں:

"سرور صاحب اس حقیقت کو جانے کیسے فراموش کر گئے
ہیں کہ اشتراکیت جب رُوح کی نفی کرتی ہے تو روح اور اشتراکیت
میں یہ رشتہ کیونکر ممکن ہے۔" [1]

آگے اس مسئلہ کی جو مزید توضیح کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اقبال، اسلام اور اشتراکیت کا مطالعہ جگن ناتھ آزاد نے کس قدر دقتِ نظر سے کیا ہے اور اس کے مقابلہ میں اقبال کو سوشلسٹ کہنے والے کس قدر سطحی اور ڈھکوسلی بات کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:

"یہ صحیح ہے کہ ۱۹۲۱ء میں اقبال نے خضرِ راہ کہی تو وہ
سرمایہ داری کے مخالف اور مزدور کے حامی کی حیثیت سے
ہمارے سامنے آئے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اقبال کارل مارکس
کی بڑی حمایت کرتے ہیں، اقبال کے افکار کی صحیح ترجمانی نہیں ہے
اور پھر اقبال کو اسلامی سوشلسٹ کہنا تو اسلام اور سوشلزم دونوں
کو غلط رنگ میں پیش کرنے کی کوشش ہے، کیونکہ اقبال ایک سے
زیادہ مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور ہیئتِ
اجتماعیۂ انسانیت کے اصول کی حیثیت میں کوئی لچک اپنے اندر نہیں
رکھتا اور ہیئتِ اجتماعیہ انسانیہ کے کسی اور آئین سے کسی قسم کو
راضی نامہ یا سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار نہیں، دراصل اسلامی سوشلزم
کی ترکیب ایک ایسی ترکیب ہے جو کتابوں میں تو موجود ہے لیکن دنیا
کے کسی سیاسی نظام میں اس کی کوئی جگہ نہیں ہے، یہ ترکیب مفہوم سے
قطعاً خالی ہے اور اس کا طول و عرض بس اتنا ہے کہ دو متضاد
نظاموں میں ایک ایسی مفاہمت کا پہلو لیے ہوئے نظر آتی ہے جو
عملی دُنیا میں مفقود ہے۔" [2]

---

[1] اقبال اور مغربی مفکرین ص۵۹ (حاشیہ)

[2] ایضاً ص ۶۵-۶۶

جگن ناتھ آزاد صاحب نے اقبال کے بارے میں اِس غلط فہمی کے کئی اسباب بتائے ہیں پہلا سبب تو خود ان کی جادو بھری شاعری کو بتایا ہے اور ان کی تائید میں "خضرِ راہ" کے اشعار نقل کر کے دکھایا ہے کہ ان کی وجہ سے قارئین اس نتیجے پر پہنچے کہ وہ سوشلزم کا پیغام لے کر آئے ہیں لیکن اس کو غلط ثابت کرنے کے لیے وہ اقبال ہی کے اشعار پیش کر کے کہتے ہیں کہ یہ نتیجہ درست نہیں۔ آزاد صاحب کے نزدیک اقبال کو اسلامی سوشلسٹ سمجھنے کا دوسرا سبب ایڈورڈ ٹامسن اور پنڈت جواہر لال نہرو کی تحریریں ہیں انھوں نے جواہر لال کی تحریر نقل کر کے اس کی مدلل تردید کی ہے اور آخر میں اِسلام کی صحیح عکاسی اور علامہ اِقبال کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> "آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ روس میں اتنا بڑا انقلاب نمایاں ہو اور اقبال ایسا حساس فن کار اِس سے متاثر ہی نہ ہو لیکن متاثر ہونا اور بات ہے اور اپنا نظریہ اور عقیدہ اس کی نذر کر دینا دوسری بات ہے، اقبال اس انقلاب سے صرف متاثر ہی ہوئے ہیں اور متاثر ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلام بھی ملوکیت اور سرمایہ داری کا دشمن ہے اور انقلابِ روس نے بھی ملوکیت اور سرمایہ داری کو اپنا نشانہ بنایا ورنہ جہاں تک مارکس کے نظریۂ اشتراکیت کا تعلق ہے اقبال کے لیے اس نظریے کو قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ایک اشتراکی کے لیے خدا، روح اور مذہب تینوں سے انکار لازمی ہے، بالشوزم میں اگر خدا کا تصور شامل کر دیا جائے تو اس سے اسلام معرضِ وجود میں نہیں آجائے گا بلکہ کوئی انمل بے جوڑ قسم کا نظام رونما ہوگا جس کا تجربہ ابھی تک دنیا نے نہیں کیا۔"[1]

---

[1] "اقبال اور مغربی مفکرین"۔ ص ۷۷۔

آزاد صاحب کے نزدیک اس غلط فہمی کا تیسرا سبب بعض پڑھے لکھے ہندوستانیوں کا ضعفِ ایمان بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ ترقی پسندی کے شوق میں اپنے آپ کو سوشلسٹ یا کمیونسٹ کہلانا بھی پسند کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی چاہتے ہیں کہ وہ ہندو یا مسلمان بھی کہلائیں بلکہ کمیونزم اور سوشلزم کے بعض بہی خواہ ایسے بھی ہیں جو تحریروں اور تقریروں میں مذہب کی پورے طور سے نفی کرتے ہیں لیکن وہ توہم پرستی کی حد تک مذہب کے وابستہ ہیں۔ اور ان انجمنوں کے ساتھ بھی ان کا ربط و ضبط ہے جن کی بنیاد مذہب ہی نہیں فرقہ پرستی پر ہے:

معشوقِ ما بہ شیوۂ ہر کس برابر است
با ما شراب خورد و بہ زاہد نماز کرد

جگن ناتھ آزاد کے خیال میں یہ طرزِ عمل ضعفِ ایمان ہی نہیں بلکہ مصلحت اندیشی کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے۔[1]

علامہ اقبال کے نظریۂ خیر و شر پر گفتگو کرتے ہوئے بھی آزاد صاحب اسلامی تصورات کی ترجمانی اور اپنی مسلمانی کا جلوہ دکھاتے ہیں۔ اقبال ابلیس کے بارے میں قرآنِ حکیم اور پرانے عہد نامہ کے نظریات کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"آدم کی حکم عدولی اور نافرمانی کی پاداش میں پرانا عہد نامہ زمین کو بد دعا دیتا ہے لیکن قرآن زمین کو انسان کا مسکن اور اسے انسان کے لیے ایک ذریعۂ منفعت قرار دیتا ہے اور ہدایت کرتا ہے کہ اس تصرف اور ملکیت کے لیے اسے اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے

گویا اقبال قصۂ ابلیس و آدم سے آیاتِ قرآنی کی روشنی میں نظریۂ اصلاحیت MELIORISM (یہ عقیدہ کہ دنیا سعیِ انسانی سے بہتر ہو سکتی ہے) کے نتیجے پر پہنچے ہیں، لیکن دراصل اس گتھی کو سلجھانے کی علامہ اقبال کی یہ کوشش تاریخِ فکرِ انسانی میں

---

[1] "اقبال اور مغربی مفکرین"۔ ص ۹، ۷ (حاشیہ)

پہلی کوشش نہیں ہے، مسلمان مفکرین میں شیخ محی الدین ابن عربی نے جو اگرچہ نظریۂ وحدتِ وجود کے قائل تھے۔ اس مسئلہ پر خیر و شر ہی کے نقطۂ نگاہ سے روشنی ڈالی ہے، انھوں نے مسئلہ خیر و شر کو ایک اضافی اصطلاح کہا ہے اور بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ایک عمل ایک مقام پر بدی کہلائے اور ویسا ہی عمل دوسرے مقام پر بدی کی ذیل میں نہ آسکے لیکن رومی اس مسئلے کی عقدہ کشائی میں ایک قدم اور آگے جاتے ہیں اور بدی یا شر کو قافلۂ حیات کے کامیابی کے ساتھ چلنے کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں، رومی حیات میں توازن کے قائل ہیں، حیات ان کے نزدیک اُسی صورت میں متوازن ہوسکتی ہے، جس میں خیر کے ساتھ شر کا بھی امتزاج موجود ہو۔

آنکہ گوید جملہ حق است احمقی است
وآنکہ گوید جملہ باطل او شقی است

اس توازن کی سب سے عمدہ مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں ملتی ہے "اللہ کی مدد سے ابلیس فرماں بردار ہوگیا لہٰذا وہ ہمیشہ مجھے نیکی ہی کا حکم دیتا ہے"۔ اقبال اسی توازنِ حیات کے قائل ہیں اور اُنھوں نے ابلیس کو محض شر کی علامت کہہ کے مردود قرار نہیں دیا بلکہ ایک ایسی قوت کے طور پر پیش کیا ہے جس کی موجودگی میں نیکی اور خیر کی قوتوں کو بروئے کار آنے کا زیادہ موقع ملتا ہے، اگر بدی کی قوتیں موجود نہ ہوں تو نیکی اور خیر کی قوتوں کے اعضا ڈھیلے پڑجائیں اس لیے زندگی کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ خیر اور شر دونوں قوتوں سے مملو ہو، زندگی کی کامرانی کے لیے بدی کی قوتوں کا موجود ہونا اُسی طرح ضروری ہے جس طرح عُقاب کو اونچا اُڑانے

کے لیے بادِ مخالف میں تیزی و تندی کی موجودگی ہے۔[1]

اقتباس قدرے طویل ہو گیا۔ اسی پر مضمون ختم کیا جاتا ہے، دراصل جگن ناتھ آزاد صاحب کے مضامینِ نظم و نثر میں رنگِ حرم بہت نمایاں ہے جس کی ایک ہلکی سی جھلک دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مقصود احاطہ نہیں بلکہ یہ دکھانا ہے کہ اقبالیات کے اس شارح و ترجمان نے اسلامی حقائق و معارف کی ترجمانی کا حق مکمل طور سے ادا کر دیا ہے۔ اس نے جن موضوعات سے تعرض کیا ہے ان پر کوئی مسلمان فاضل بھی اس سے بہتر کیا لکھے گا کم از کم یہ کم سواد تو اس کی جراُت و ہمت بھی نہیں کر سکتا۔ اسے رنگِ حرم کو نمایاں کرنے والے سے اگر شکایت ہے تو صرف اتنی کہ ؎

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

---

[1] "اقبال اور مغربی مفکرین" ص ۶۰-۶۱-

حمد

مٹی کو یہ تنویرِ شرر کس نے عطا کی
تجھ کو یہ چمک موجِ گہر کس نے عطا کی
ادراک کو وابستہ کیا کس نے جنوں سے
ظلمت کو یہ تنویرِ سحر کس نے عطا کی
پھر سینۂ ویراں ہے تری یاد کا مسکن
دولت یہ مجھے بارِ دگر کس نے عطا کی
پتھر میں بھی تابندہ شرر دیکھ رہا ہوں
پتھر کو شرر، مجھ کو نظر کس نے عطا کی

RekhtaDownload.com

ہر صبح کو ہوتے ہیں مری آنکھ میں آنسو

دولت یہ مجھے وقتِ سحر کس نے عطا کی

خاشاک ہے ساحل پہ گہر بطنِ صدف میں
آزادیٔ موجوں کو نظر کس نے عطا کی

RekhtaDownload.com

حمد و نعت

(۱)

رنگ و بُو تک تجھے دیکھوں کہ خزاں تک دیکھوں
مَیں ترا حُسن جو دیکھوں تو کہاں تک دیکھوں

اپنے ماحول میں دیکھوں کہ ستاروں سے اُدھر
تُو ہی تو مجھ کو نظر آئے جہاں تک دیکھوں

موجِ دریا کی قسم، بادِ بہاراں کی قسم
تری رفتار کو اب اور کہاں تک دیکھوں

آج تک تجھ کو جو دیکھا تو یقیں تک دیکھا
اب تمنّا ہے کہ مَیں تجھ کو گُماں تک دیکھوں

صُبح کا نُور، شَفق شام کی، ظُلمت شب کی

مَیں ترے حُسن کے سو رنگ کہاں تک دیکھوں

دل کی دُنیا میں تو مَیں تجھ کو بہت ڈھونڈ چکا

اب ترا حکم جہاں تک ہو وہاں تک دیکھوں

(۲)

ہُوں وہ خوش بخت کہ صحرائے عرب میں آ کر

دُور تک مَیں ترے قدموں کے نشاں تک دیکھوں

یہ وہ ذرّے ہیں جنھوں نے ترے چُومے ہیں قدم

ان کی تنویر جو دیکھوں دل و جاں تک دیکھوں

کیوں نہ قربانِ تصوّر ہُوں مَیں آزاد کہ آج!

نُور ہی نُور نظر آئے جہاں تک دیکھوں

Rekhta Download.com

حمد سے منقبت تک

(شاعرِ عدیم المثال ابوالفیض فیضی کے ساتھ عالم خیال میں چند لمحے)

تمتع زہر گوشۂ یافتم
زہر خرمنے خوشۂ یافتم
(شیخ سعدیؒ)

مَیں قُدس کا طائر ہوں، پرے ہوں مَیں نوا سے
مرغِ ملکوُتی کو نہیں کام ہوا سے

بُرہان اُسے لے جا نہ سکا نفی کی جانب
واقف مرا دل ہو نہ سکا معنیٔ 'لا' سے

یوں کشفِ حقائق ہوا مُجھ کو سبق آموز
فارغ ہوں مَیں ترتیبِ دلیلِ حکما سے

مَیں اہلِ جدل سے نہ کہوں نکتۂ توحید
"وحدت میں نہیں کام مجھے چُون و چرا سے

جب دل میں یقیں ہے تو گماں سے مجھے کیا کام
اربابِ صواب اور انھیں کام خطا سے؟
جس قافلۂ شوق کو منزل کا پتا ہے
کیا ربط اُسے رقصِ جرس و بانگِ درا سے
جبروت کا نور اور اندھیرے سے ہراساں؟
آئینۂ صبح اور اُسے کام مِنا سے؟
وہ علم ہے بیکار، خرد باعثِ آزار
بیگانہ ہے، جو صاحبِ لولاک لما سے
کیا تجھ کو خبر حدّتِ خورشیدِ قیامت
پَر تو مرے ہر لمحے پہ ہے شمسِ ضحیٰ سے
تاریک ہو یہ سارا جہاں میری نظر میں
طلعت نہ ملے مجھ کو اگر بدرِ دجیٰ سے
کس طرح ہدایت پہ سفر ختم ہو اپنا
ہم دُور ہوں گر ختم اماماں ہدا سے
صد شکر کہ ہوں پیرو اصحابِ محمدؐ
کیا کام مجھے اور کسی راہ نما سے

دِل کیوں ہو کسی بدرقۂ شوق کا محتاج
وابستہ ہوں جب پیشِ رو صدق وصفا سے
اُس نقدِ شناسائی کو غارت کرے اللہ
بیگانہ ہے جو اک گہرِ بحرِ حیا سے
ہو طوقِ وبالِ اَبدی اُس کے گلے ہیں
جو دُور رہا سلسلۂ شیرِ خُدا سے
کس کام کی وہ عقلِ شناسا کہ جو مجھ کو
ناواقف و بیگانہ رکھے آلِ عبا سے
خورشیدِ فلک! حشر تک آگاہ نہ ہوگا
کوئی بھی تو بے نورِ علی راہِ علا سے
آئے گی کہاں سے مری آنکھوں میں تجلّیٰ
آئے نہ اگر نورِ چراغِ شہدا سے

دُعَا

(علامہ اقبال کے اشعار کی تضمین)

میرا دل مطمئن طالبِ نانِ شعیر
قیدِ جہاں سے بَری گرچہ بظاہر اسیر
مُجھ میں نہ پیدا ہوا شوقِ لباسِ حریر
دولتِ لعل و گہر میری نظر میں حقیر
می نہ بُرد حاجتے پیشِ سلاطیں فقیر
میرا نشیمن نہیں درگہِ میر و وزیر
میرا نشیمن بھی تو شاخِ نشیمن بھی تو

RekhtaDownload.com

صحبتِ اہلِ صفا حُسنِ ازل کا ظہور
صحبتِ اہلِ صفا وادیِ ایمن کا نُور
صحبتِ اہلِ صفا دشمنِ فسق و فجُور
دشمنِ فسق و فجُور حاملِ ذوقِ حضور
حاملِ ذوقِ حضور قاطعِ کبر و غرُور
صُحبتِ اہلِ صفا نُور و حضور و سرُور
سرخوش و پرسوز ہے لالہ لبِ آبِ جُو

خالقِ کون و مکاں مالکِ غیب و حضُور
میری مے زیست میں تیرے کرم سے سرُور
رُوح کی گہرائی میں فیض ترا دُور دُور!
عالمِ تاریک میں تیری تجلّی سے نُور
تُجھ سے ہے سینہ مرا رشکِ کہسارِ طور
تُجھ سے گریباں مرا مطلعِ صُبحِ نشور
تُجھ سے مرے سینے میں آتشِ اللہ ہُو

RekhtaDownload.com

وِلادتِ باسعادت

طویل نظم "جمہور نامہ" کا ایک حصّہ

ساقی نامہ

پلا دے معرفت کی جس قدر بھی ہے مۓ باقی
کہ میرے لب پہ ذکرِ فخرِ موجودات ہے ساقی
اُٹھا وہ جام جو اِحساس کی دُنیا کو گرما دے
مِرے جذبے کو اپنی ایک موجِ مے سے چمکا دے
جو مجھ کو بات کرنے کا مؤدب ڈھنگ سِکھلا دے
مِری گفتار کی قوّت پہ یہ احسان فرما دے
کہ اب مجھ کو گزرنا ہے بڑے نازک مقاموں سے
کبھی بطحا کی صبحوں سے کبھی یثرب کی شاموں سے

Rekhtadownload.com

جہانِ شاعری میں آج رہ جائے بھرم میرا
سخن سنجوں کی صف میں ہو نہ شرمندہ قلم میرا

مجھے لکھنا ہے اک انسانیت کا باب تابندہ
منوّر جس کے ہوں الفاظ مصرعے جس کے رخشندہ

مجھے اک محسنِ انسانیت کا ذکر کرنا ہے
مجھے رنگِ عقیدت فکر کے سانچے میں بھرنا ہے

بیاں کرنا ہے اوجِ ابنِ آدم بن کے کون آیا
بیاں کرنا ہے فخرِ ہر دو عالم بن کے کون آیا

بتانا ہے کہ جب انسان سچی راہ بھولا تھا
یہ جب نازاں تھا کج بینی پہ گمراہی پہ پھولا تھا

تو کیوں کر غیب سے انسانیت کا رہنما آیا
شفاعت کا لیے ساماں بشر کا آسرا آیا

وہ کیا ساماں تھے جب اُتری تھی رحمت دو جہانوں کی
بلندی مل گئی کیوں کر زمیں کو آسمانوں کی

بشر سے کس طرح تورات کے وعدے ہوئے پورے
سحر کے، شام کے، دِن رات کے وعدے ہوئے پورے

بشارت جس کی دی تھی ابنِ مریم نے زمانے کو
وہ ہستی کون تھی کیوں آئی تھی محفل سجانے کو
نہ ہے تابِ سخن مجھ کو نہ ہے تقریر کا یارا
میں ذرّہ ہوں مرا موضوع خورشید جہاں آرا
کہانی لکھ چکا ہوں گرچہ سورج چاند تاروں کی[1]
بہت دُہرا چکا ہوں داستاں رنگیں بہاروں کی
مگر وہ چاند تارے پھول سُورج سب ہیں جسمانی
جو اب موضوع ہے خورشید میرا وہ ہے رُوحانی
یہ خورشید ضمیر آرا ہے خورشید معانی ہے
اسی خورشید کی ذرّے کے لب پر اب کہانی ہے

عرب اور باقی دُنیا کی حالت

محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے قبل

عرب

عرب کی سرزمیں پہ خیمہ زن گہرا اندھیرا تھا
جہاں تک کام کرتی تھی نظر ظلمت کا ڈیرا تھا

---

[1] "جمہورنامہ" کے ابتدائی ابواب کی طرف اشارہ ہے۔

عرب کی سرزمیں ہر قید سے آزاد دُنیا تھی
یہ دُنیا اک عجب مجموعۂ اضداد دُنیا تھی
یہ صحرائے لق و دق یہ شُتربانوں کا گہوارہ
لیے بیٹھا تھا ہر گوشے میں ایماں سوز نظارہ
قبیلوں میں یہاں تقسیم تھی اِنسان کی دُنیا
فقط جنگ و جدل پر تھی فِدا ایمان کی دُنیا
بہانہ ڈھونڈتے پھرتے تھے انساں جنگ بازی کا
ہر اک گُرگ ان کی گھٹی میں پڑا تھا فتنہ سازی کا
بظاہر گرچہ تھے یہ دینِ ابراہیم کے پیرو
بہ باطن تھے یہ اپنی ہی تنظیم کے پیرو
یہاں جتنے بھی سینے تھے شجاعت کے ٹھکانے تھے
مگر اپنے بالآخر اس شجاعت کے نشانے تھے
بہادر جس قدر بھی تھے بہم دست و گریباں تھے
جنوں وہ تھا کہ اپنے ہاتھ تھے اپنے ہی داماں تھے
کمالِ بدزبانی تھا کمال ان کی طلاقت کا
نمونہ فحش گوئی کا نمونہ تھا فصاحت کا

بڑا معیار تھا اُن کی شرافت کا، نجابت کا
کہ دھندلا سا تصوّر بھی نہ تھا عورت کی عزت کا
یہ اپنی بیٹیوں کو جا کے زندہ گاڑ آتے تھے
کتابِ زندگی کا یہ ورق خود پھاڑ آتے تھے
سمجھتے تھے کہ بیٹی داغ ہے اِنساں کے دامن کا
اسے کہتے تھے وہ اک خار ہستی کے گلستاں کا
عجب ہی رنگ تھا ان کی ثقافت کا عدالت کا
نرالا ڈھنگ تھا ان کی شجاعت کا سخاوت کا
جو تھے جود و کرم والے نمایاں تھا یہ حال اُن کا
کہ مجبوروں کے حق کو مار لینا تھا کمال اُن کا
سخی جو تھے وہ بیواؤں کا حق اپنا سمجھتے تھے
جواں بیٹے جو تھے ماؤں کا حق اپنا سمجھتے تھے
یہاں مذہب کی عزت تھی نہ تھی ایمان کی عزت
نہ ہو ایمان کی تو پھر کہاں اِنسان کی عزت
غرض اس سرزمیں کی تھی عجب ناگفتنی حالت
جو نظارہ تھا اس کا تھا وہی نظارۂ عبرت

جہاں قرآن بن کر حرفِ حق کو جگمگاتا تھا
وہ خطہ آج اک گہرے اندھیرے کا ٹھکانا تھا

ایران

عرب سے مختلف ہی گرچہ تھا ایران کا عالم
یہاں بھی تھا مگر ناگفتنی ایمان کا عالم
شہنشاہی کی یاں بے نور شمعیں جھلملاتی تھیں
بھڑک اٹھتی تھیں یہ کچھ دیر جب بجھنے پہ آتی تھیں
یہ ان بجھتی ہوئی شمعوں کا تھا اندازِ نورانی
کہ ظلمت میں اضافہ کر رہی تھی ان کی تابانی

یونان اور روم

وہی یونان کہلایا تھا جو تہذیب کی دنیا
وہی روئے زمیں پر آج تھا تخریب کی دنیا

یہ تحقیق و تجسس کا جہاں تھا آج ویرانہ
فلاطوں کی خرد، سقراط کی دانش سب افسانہ
زمیں پھر ہی پتھر تھی گھٹا جس پر برستی تھی
کتابِ زندگانی اہلِ معنی کو ترستی تھی
ارسطو کی طلاقت ایک گم گشتہ خزانہ تھی
سکندر کی شجاعت ایک پارینہ فسانہ تھی
وہ دنیا جس پہ تھی اسکندرِ اعظم کی دارائی
بالآخر رومیوں کے ایک دن زیرِ نگیں آئی
یہ رومی کاروبارِ زندگی میں گرچہ ماہر تھے
مگر تہذیب کے معنی سمجھنے میں یہ قاصر تھے
نہ تھا اُن کو ذرا فن و ہنر کے نام سے مطلب
انھیں تھا بس حکومت اور اس کے کام سے مطلب
یہ بے چارے رہے اخلاق کے عالم سے ناواقف
یہ آدم زاد تھے ہمدردیِ آدم سے ناواقف

چین

بہت چمکا فلک پہ چین کی تہذیب کا تارا
مگر اب بجھ کے ٹھنڈا ہو چکا تھا یہ جہاں آرا
زمانہ تھا یہاں جب عام تھی تعظیم کنفیوشس
دلوں سے ہو چکی تھی محو اب تعلیمِ کنفیوشس

ولادتِ رسولِ اکرمؐ

غرض دنیا میں چاروں سمت اندھیرا ہی اندھیرا تھا
نشانِ نور گم تھا اور ظلمت کا بسیرا تھا
کہ دنیائے عرب کے آسماں پر ایک نور ابھرا
جہانِ کفر و باطل میں صداقت کا ظہور ابھرا

Rekhta Download.com

خبر سچائی کی دیتا زمانے کو خبیر آیا
شہنشاہی بھی جس کے پاؤں چومے وہ فقیر آیا
بھٹکتے دور کو رستہ دکھانے رہنما آیا
سفینے کو تباہی سے بچانے ناخدا آیا
جسے حق نے کیا تسلیم ختم المرسلیں آیا
جسے دنیا نے مانا رحمتہ اللعالمیں آیا
خلیق آیا، کریم آیا، رؤف آیا، رحیم آیا
کہا قرآں نے جس کو صاحبِ خُلقِ عظیم آیا
بصیرت عام فرماتا ہوا مردِ بصیر آیا
اندھیرے کی حکومت میں تجلّی کا سفیر آیا
بشر بن کر زمانے کا جمالِ اوّلیں آیا
متاعِ صدق لے کر صادق الوعد امیں آیا
وہ آیا فقر و فخری رتبہ ہے جس کی قناعت کا
وہ آیا جو معلّم ہے جہاں میں دینِ فطرت کا
وہ آیا جس کو کہیے فخرِ آدم ہادیٔ اکرم
وہ آیا جس کو کہیے زندگی کا محسنِ اعظم

سراپا علم بن کر صاحبِ اُمّ الکتاب آیا
زمینِ تشنہ لب کی زندگی بن کر سحاب آیا
تجلّی عام فرماتا ہوا شمس الضحےٰ آیا
امام الانبیا آیا محمّد مصطفےٰ آیا
محمّد مصطفےٰ یعنی وہ محبوبِ خدا آیا
دِلوں نے سرخوشی پائی کہ احمد مجتبےٰ آیا
کبھی پھرتا رہا جو زندگی کی چشمِ حیراں میں
وہی جلوہ سمٹ کر آگیا خود بزمِ امکاں میں
نویدِ جانفزا پائی یتیموں نے، غریبوں نے
غلاموں، بے سہاروں، بےکسوں آفت نصیبوں نے
پیامِ زندگانی مِل رہا تھا زیر دستوں کو
قضا آنکھیں دکھاتی پھر رہی تھی خود پرستوں کو
دِل دُنیا سے ہر ارمان اُٹھتا تھا دعا بن کر
مسرت ناچتی تھی چار جانب یہ نوا بن کر

سلام

سلام اے جلوۂ معنی، سلام اے نورِ یزدانی
سلام اے وقت کی تقدیر کے ماتھے کی تابانی
سلام اے سازِ ایمانی، سلام اے سوزِ قرآنی
سلام اے حرفِ روحانی، سلام اے نطقِ ربّانی
سلام اے آسمانِ قدس کے مہرِ جہاں آرا
سلام اے کیف و رنگِ نوبہارِ اے گلستاں آرا
سلام اے رحمتِ عالم، سلام اے سیّدِ والا
سلام اے فخرِ آدم انبیا کے طرۂ زیبا
سلام اے نورِ حق اے شمعِ باطل خانۂ دنیا
سلام اے ساقیِ دریا دلِ میخانۂ دنیا
سلام اے دستگیرِ بے کساں اے ہادیِ اکرم
سلام اے دو جہاں کی زندگی کے محسنِ اعظم

Rekhta.org

سلام اے وہ کہ ہے پیغمبرِ اُمّی لقب تیرا
سلام اے وہ کہ تیری ذات پہ نازاں نسب تیرا
سلام اے وہ کہ تھے تیرے لیے تورات کے وعدے
جہاں سے تھے سحر کے، شام کے دن رات کے وعدے
سلام اے وہ کہ تیری ابنِ مریم نے بشارت دی
جہانِ زندگی کے کیف نے کم نے بشارت دی
سلام اے بے کسوں کو ارجمندی بخشنے والے
سلام اے پست حالوں کو بلندی بخشنے والے
سلام اے دیوِ باطل کی کلائی موڑنے والے
سلام اے آدمی کا حق سے رشتہ جوڑنے والے
سلام اے نازش و فخر و وقارِ آدمِ خاکی
سلام اے بزمِ تاریک جہاں میں شمعِ نورانی

مِیلادُ النبیؐ

آج کا دِن تھا کہ جب نُورِ معانی کے طُفیل
تِیرہ و تار زمیں مطلعِ انوار ہُوئی

آج کا دِن تھا کہ ظُلمات سے ہو کر بیزار
زِندگی جلوۂ پنہاں کی طلبگار ہُوئی

آج کا دِن تھا کہ جب بادِ بہاری کے سبب
خس و خاشاک کی دُنیا گُل و گُلزار ہُوئی

آج کا دِن تھا کہ آگاہِ حقیقت ہو کر
عقل ہر شعبدۂ وہم سے بیدار ہُوئی

Rekhta Download.com

آج کا دن تھا کہ توحید کا نغمہ سُن کر
زندگی چونک اُٹھی خواب سے بیدار ہُوئی

آج کا دِن تھا کہ خورشید حقیقت چمکا
دُور عالم سے توہم کی شبِ تار ہُوئی

رُوئے گیتی سے مِٹی کہترِ و بہتر کی تمیز
ایک پیغامِ مساوات مِلا آج کے دِن!

اور صحراؤں کی دُنیا میں بھٹکنے نہ دیا
کارواں تجھ کو مِلا راہنما آج کے دن!

عالمِ قُدس سے مہکی ہوئی آئی جو نسیم
غنچۂ انساں کے مقدر کا کھِلا آج کے دن!

آب و گِل ایک زمانے سے تھے مصروفِ دعا
ربّ اکبر نے سُنی اُن کی دُعا آج کے دن!

اس طرح خاک کی تقدیر کا تارا چمکا
ذرّۂ خاک ہے تاروں سے سوا آج کے دِن!

دیکھتی رہ گئی گردُوں کی بلندی تجھ کو
خاکِ بطحا تجھے رُتبہ وہ مِلا آج کے دِن

تیرہ و تار فضاؤں میں تجلّی چمکی
کس کا اعجاز تھا یہ ایک بشر کا اعجاز
ہاں یہ اعجاز اُسی صاحبِ اعجاز کا تھا
آج بھی محفلِ گیتی کا جو ہے چہرہ طراز
زِندگانی کا ہر اک رمز سمجھنے والا
زندگانی کے ہر اک درد کا دانندۂ راز
ہر زمانے میں وہ انساں کا جگاتی ہی گئی
کبھی گونجی تھی جو صحرائے عرب میں آواز
تُو نے انسان کو انسان سے آگاہ کیا
اے ترے نام سے پیدا ہوئے سینے میں گدازُ
جُوہرِ طبعِ من از وصفِ کمالت روشن
گوہرِ نظمِ من از نسبتِ ذاتت ممتاز"

سلام

سلام اُس ذاتِ اقدس پر، سلام اُس فخرِ دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دُنیائے امکاں پر
سلام اُس پر جو حامی بن کے آیا غم نصیبوں کا!
رہا جو بیکسوں کا آسرا مشفق غریبوں کا
سلام اس پر جو آیا رحمت اللعالمیں بن کر
پیامِ دوست لے کر صادق الوعد و امیں بن کر
سلام اس پر کہ جس کے نُور سے پُر نُور ہے دنیا
سلام اُس پر کہ جس کے نطق سے مسحُور ہے دُنیا
سلام اُس پر کہ جس نے بے زبانوں کو زباں بخشی
سلام اُس پر کہ جس نے ناتوانوں کو تواں بخشی

سلام اُس پر جلائی شمعِ عرفاں جس نے سینوں میں
کیا حق کے لیے بے تاب سجدوں کو جبینوں میں

سلام اُس پر بنایا جس نے دیوانوں کو فرزانہ
مے حکمت کا چھلکایا جہاں میں جس نے پیمانہ

بڑے چھوٹے میں جس نے اک اخوت کی بنا ڈالی
زمانے سے تمیزِ بندہ و آقا مٹا ڈالی

سلام اُس پر فقیری میں نہاں تھی جس کی سلطانی
رہا زیرِ قدم جس کے شکوہ و فرِ خاقانی

سلام اُس پر جو ہے آسودہ زیرِ گنبدِ خضرا
زمانہ آج بھی ہے جس کے در پر ناصیہ فرسا

سلام اُس پر کہ جس نے ظلم سہہ سہہ کر دعائیں دیں
وہ جس نے کھائے پتھر، گالیاں اس پر دعائیں دیں

سلام اس ذاتِ اقدس پر حیاتِ جاودانی کا
سلام آزاد کا، آزاد کی رنگیں بیانی کا

محفلِ نعت میں ایک رات

وہاں کل رات جنت کا نظارا تھا، جہاں میں تھا
عجب اِک کیفِ پیہم آشکارا تھا جہاں میں تھا

زمیں کا مرتبہ اس کے سوا اب اور کیا کہیے
کہ ذرّہ خاک کا گردوں کا تارا تھا جہاں میں تھا

زمیں سے عرش تک تھا ایک کیفِ بے خودی طاری
کہ اک نامِ مقدس جلوہ آرا تھا جہاں میں تھا

RekhtaDownload.com

منوّر رات کا دِل تھا تجلّی خیز نغموں سے
وہاں ظُلمت کا دامن پارہ پارہ تھا جہاں میں تھا

دِلوں کے درد کی آباد تھی دُنیا زبانوں پر
سعادت نے عجب نقشہ اُتارا تھا جہاں میں تھا

یہ تھی وہ سرمدی محفِل کہ اُس محفل کا ہر لمحہ
عقیدت نے محبت سے سنوارا تھا جہاں میں تھا

وہ دانائے سُبل، ختمُ الرُسُل کا ذکر تھا جس کا
میسرِ اہلِ باطن کو سہارا تھا جہاں میں تھا

RekhtaDownload.com

قطعہ

مجھ کو سرکارِ دو عالم یہ شکایت تو نہیں
کہ مری بات نہ بھارت کا مسلماں سمجھا
یہ شکایت بھی نہیں ہے کہ سمجھنے والا
مرے افکار کو افکارِ پریشاں سمجھا
اور گلہ یہ بھی نہیں ہے کہ وہ جاں دادۂ شعر
مری لے کو نہ مرے دَرد کا درماں سمجھا
ہاں مگر بات کی تہ تک نہ پہنچنے والا
غم یہی ہے کہ مجھے محض غزلخواں سمجھا
مری فریاد رسی تیرے سوا کون کرے
کہ یہاں کوئی نہ میرا غمِ پنہاں سمجھا

قطعہ

جو ترے سوزِ نفس سے ہے مرے سینے میں
ایک سینے میں بھی وہ غم نظر آیا نہ مجھے
کشورِ ہند میں ڈھونڈا ہے بہت میں نے مگر
اک بشر بھی ترا محرم نظر آیا نہ مجھے

RekhtaDownload.com

فیضانِ عُرفی

آزاد! دل کا راز بیاں کس طرح کروں
کچھ اور شے ہے یہ نہ فسانہ ہے نہ فسوں
بیگانہ عقل سے ہو نہیں ہے وہ یہ جُنوں
راحت اسے ہنسی میں نہ رونے میں ہے سکوں
آں خستہ ام کہ در تپِ صفرا و جوشِ خوں
فصادش آتشِ جگر و شعلہ نشتر است

ہے یُوں تو مجھ کو اپنے کمالِ سخن پہ ناز
لیکن دراصل اس کا سبب ہے مرا نیاز
پنہاں مری نوا میں ہے جو سوز جو گداز
عُرفی کے ایک شعر سے کھلتا ہے اس کا راز
کوتہ کُنم عبارت و معنی کُنم دراز
آں بلبلم کہ نغمہ زنِ باغِ حیدر است

بھٹکا نہ راہِ عشق سے اب تک مرا قلم
سُنتا رہا نوائے خموشی کے زیر و بم
منزل کی سمت ہی یہ بڑھاتا رہا قدم
لکھتا رہا فقط مدحِ معدنِ کرم
آں رہ نوردِ وادیِ بیت المقدسم
کورا صدائے شہپرِ جبریل رہبر است
اے دل کہاں سے آئی نسیمِ بہارِ عشق
شعلہ جو بن گیا ہے بھڑک کر شرارِ عشق
لفظوں میں آسکے گا نہ اب اعتبارِ عشق
ہے آج نورِ عشق جو کل تک تھی نارِ عشق
آں ہُدہُدم کہ در چمنِ لالہ زارِ عشق
تا جش زِ شعلۂ شجرِ طُور بر سر است

تضامین

(۱)

آج بھی دیکھے کوئی شانِ علیِ مرتضےٰ
ایک دُنیا ہے ثنا خوانِ علیِ مرتضےٰ
ہے مقدر اُس کا فیضانِ علیِ مرتضےٰ
آگیا جو زیرِ دامانِ علیِ مرتضےٰ
آج بھی گوہر فشاں ہے آج بھی ہے دُرفشاں
چار جانب ابرِ نیسانِ علیِ مرتضےٰ
خیر و شر سے ہو گیا آگاہ انساں کا ضمیر
یہ زمانے پر ہے احسانِ علیِ مرتضےٰ

Rekhtadownload.com

دولتِ حُسنِ معانی ، دولتِ حُسنِ عمل
ہاں یہی تھا ساز و سامانِ علیِ مرتضےٰ
آج اپنی شعر خوانی پر مجھے بھی ناز ہے
مَیں کہ ہوں اک منقبت خوانِ علیِ مرتضےٰ
جوش کے اک شعر پر کرتا ہوں اپنی بات ختم
"جوش ہم ادنیٰ غلامانِ علیِ مرتضےٰ
تمکنت سے پیش آتے ہیں جہاں بانی کے ساتھ"

(۲)

مجھے نہیں ہے کچھ اس بات میں کلام اقبال
یہ نام اندھیرے میں ہے نور کا پیام اقبال
یہ نام ہے مئے روحانیت کا جام اقبال
ہمیشہ وردِ زباں ہے علی کا نام اقبال
"کہ پیاس روح کی بجھتی ہے اس نگینے سے"

RekhtaDownload.com

(۳)

اک فقیری شان بھی تھی شانِ سُلطانی کے ساتھ

رمزِ دلجوئی بھی تھی رمزِ جہاں بانی کے ساتھ

فرضِ دنیا بھی ادا تھا فرضِ رُوحانی کے ساتھ

"کیا نمازِ شاہ تھی ارکانِ ایمانی کے ساتھ

دل بھی جُھک جاتا تھا ہر سجدے میں پیشانی کے ساتھ"

کہہ رہے ہیں ہم ثنا خوانِ علیِ مُرتضےٰ

آج بھی دیکھے کوئی شانِ علیِ مُرتضےٰ

ہم فقیروں پہ یہ فیضانِ علیِ مُرتضےٰ!

"جوش ہم ادنیٰ غلامانِ علیِ مُرتضےٰ

تمکنت سے پیش آتے ہیں جہاں بانی کے ساتھ"

اصلِ عبادت

(نمازِ عصر جو کربلا کے معرکۂ حق و باطل میں ادا ہوئی)

میری نوا میں سوزِ غمِ رُونما ہے آج
در پیش نغمگی کو عجب معرکہ ہے آج
دُنیائے دل میں ایک قیامت بپا ہے آج
میری زباں پہ تذکرۂ کربلا ہے آج
چھیڑا ہے آج دِل نے شہادت کا تذکرہ
بے مِثل و بے عدیلِ عبادت کا تذکرہ

RekhtaDownload.com

گردُوں سے بھی بلند تر اے کربلا کی خاک !
میری نگاہ میں تو حرم کی طرح ہے پاک
کیسے کہوں کہ ذکر نہایت ہے دردناک
دامن میں تیرے پھُول کا سینہ ہے چاک چاک
" اے کربلا کی خاک اس احسان کو نہ بھول
تڑپی ہے تجھ پہ نعشِ جگر گوشۂ رسولؐ "

○

لُو چل رہی ہے نام کو سایہ کہیں نہیں
حِدّت وہ ہے کہ وقت کی سانسیں ہیں آتشیں
آنکھیں اُٹھا کے دیکھ ذرا اے دلِ حزیں
گردُوں تنور ہے کُرۂ نار ہے زمیں
اک شعلہ زار ہے کہ ہے میدانِ کربلا
اک آگ ہے کہ ریگِ بیابانِ کربلا

طوفاں بپا ہے گرم ہے میدانِ کارزار
ہے قاتلوں سے محوِ وغا ایک شہسوار
ابلیسیت اُدھر اِدھر انسان کا وقار
تنہا حسینؑ اور یزیدی کئی ہزار
اے گردشِ زمانہ ٹھہر جا ذرا یہیں
ایسی مثال پھر نہ ملے گی تجھے کہیں

○

وہ سامنے غنیم کی فوجیں ہیں دجلہ بار
ہیں اس طرف اکیلے حسینؑ اسپ پر سوار
دامن پہ ہے غبار گریباں ہے تار تار
کانٹوں میں یا جیسے پھول ہو یوں ہیں وہ نامدار
آزاد! نوکِ خار کی زد پر ہے پھول دیکھ
ہاں دیکھ! انقلابِ جہاں کا اصول دیکھ

RekhtaDownload.com

اُوپر تلے تپے ہوئے ذرّوں کا اِنتشار
ہتھیار جس قدر ہیں بدن پہ ہیں شعلہ زار
اور اس کے ساتھ ساتھ ہیں چاروں طرف سے وار
سر تیغ سے شکستہ، جگر تیر سے فگار
دو دن ہوئے ہیں پینے کو پانی مِلا نہیں
لیکن نمازِ ظہر یہاں بھی قضا نہیں

○

اب ہیں نمازِ عصر کی ساعات بھی قریب
ہیں کوئی دم میں شام کے لمحات بھی قریب
اے دوپہر کی دھوپ ہے اب رات بھی قریب
جس بات کا ہے ذکر وہ ہے بات بھی قریب
گھوڑے سے گر چکے ہیں خرِمشرقین اب
سجدے میں سر جھکائے ہوئے ہیں حسین اب

RekhtaDownload.com

دیکھ اے نگاہ دیکھ یہ منظر جگر خراش
تابِ نظر کہاں کہ کلیجہ ہے پاش پاش
فریاد سے فضاؤں میں پیدا ہے ارتعاش
کیا اے فلک تجھے بھی اِسی وقت کی تلاش
دستِ قضا کو صبر ذرا بھی نہ ہو سکے
اور عصر کا فریضہ ادا بھی نہ ہو سکے

○

وہ ہاتھ اٹھا لعین کا شمشیر تول کر
بھرپور وار، جسم اِدھر اور سر اُدھر
اے کم نگاہ رازِ حقیقت سے بے خبر
سجدہ یہی ہے سجدہ جو باطن پہ ہو نظر
روحِ حیات، روحِ شہادت یہی تو ہے
کہتے ہیں جس کو اصلِ عبادت یہی تو ہے

RekhtaDownload.com

حضرت کلیم اللہ ولی رح (دہلی)
کی درگاہ پر

وہ انساں کیوں نہ ہو اپنے عروجِ بخت پر نازاں
جسے تقدیر لائے اِس مقدس آستانے پر
یہ ہے وہ آستانہ جس کے ذرّوں کی ضیا باری
مثالِ جلوۂ خورشید روشن ہے زمانے پر

یہ مخزن قدس کا یہ آستانہ ہے مقام ایسا
کہ حاجت مند ہے اِس در کی شاہی بھی فقیری بھی
یہاں عرفان کی وہ دولتِ جاوید ملتی ہے
غریبی بھی یہاں تسکین پاتی ہے امیری بھی

یہاں آکر بلند و پست کی تفریق مٹتی ہے
یہاں آکر کوئی برتر کوئی کمتر نہیں رہتا
یہاں آکر دوئی کی سرحدیں سب ٹوٹ جاتی ہیں
یہاں آزاد! فرقِ اسود و احمر نہیں رہتا

یہاں اے آنے والے! جذبۂ اخلاص لے کر آ
نیازِ شوق لے آ روح کی تابندگی لے جا
یہاں آنسو ہے قیمت میں دُرِ نایاب سے بڑھ کر
دلِ بے تاب بن کر آ سکونِ زندگی لے جا

ہمارے میر صاحب قبلہ ہیں درگاہ پر حاضر
انھیں اے صاحبِ درگاہ گردوں کی بلندی دے
طفیل اِن کے پھر اپنی اس مقدس راجدھانی کو
نئے اعزاز دے، عظمت عطا کر، ارجمندی دے

Rekhtadownload.com

دہلی کی جامع مسجد

اے جذبِ طہارت کی امیں مسجدِ جامع
روشن دل و تابندہ جبیں مسجدِ جامع

اے جلوۂ انوارِ یقیں مسجدِ جامع
اے خاتمِ دہلی کی نگیں مسجدِ جامع

ہے آج بھی تسکینِ نظر تیرا نظارا
تو آج بھی ہے رُوح کی دُنیا کا سہارا

RekhtaDownload.com

دامن میں سنبھالے ہوئے صدیوں کی امانت
پاکیزگیٔ قلب و نظر، روح کی عفت
شاہی میں فقیری کی درخشندہ روایت
احساس کا اک جذبۂ سرشارِ حقیقت
اس دور میں تو منبعِ انوار ہے اب بھی
تاریکیٔ عالم میں ضیا بار ہے اب بھی

اک نقشِ دل آویز ہے تو خونِ جگر کا
جلوہ ترا نظارہ ہے انوارِ سحر کا
تو فن کی ہے تصویر نمونہ ہے ہنر کا
شہپارۂ جاوید ہے تو ذوقِ نظر کا
رقصاں تری دُنیا میں ہیں آیاتِ تجلی
اللہ رے تیرے یہ مقاماتِ تجلی

RekhtaDownload.com

تو فقر کی تصویر ہے وہ زیرِ سماوات

ہیں جس سے عیاں سینۂ آدم کے کمالات

دنیا کو دکھا آج کوئی حُسنِ کرامات

تو چشمۂ حیواں ہے جہاں عالمِ ظلمات

تو آج ہے اک سوزِ محبت کا نمونہ

اے آدمِ خاکی کی کرامت کا نمونہ

ہر خشت میں آباد ہے افکار کی دُنیا

ہر سنگ میں ہے جذبۂ بیدار کی دُنیا

ہر نقش میں خوابیدہ ہے اسرار کی دُنیا

تعمیر ہے تیری کہ ہے انوار کی دُنیا

کیا تجھ سے کہوں کیا ہے تری اوج کی دُنیا

تو عالمِ فانی میں ہے اک نقشِ دوامی

RekhtaDownload.com

اے معبدِ اربابِ یقیں! حاصلِ ادراک
اے منزلِ انوارِ کمیں جلوہ گہِ پاک
ہستیٔ دوامی سے عبارت ہے تری خاک
کیا گردشِ ایام ہے کیا گردشِ افلاک
دُنیا ہے تری نور فزا روزِ ابد تک
ہے ساز ترا نغمہ سرا روزِ ابد تک

اس دَور میں کیا تجھ سے کروں ذکرِ زمانہ
اس نے تو بنایا ہے حقیقت کو فسانہ
ہر تیر ہوا بے خبرِ رنگِ نشانہ
ہر نالۂ ماتم نظر آتا ہے ترانہ
ممکن ہو تو اس دَور کے انداز بدل دے
انساں کا ذرا ذوقِ تگ و تاز بدل دے

RekhtaDownload.com

تاریخِ ہند کا ایک واقعہ

مسجدِ جامع دہلی کی ہے تعمیر کا دن!
سنگِ بنیاد کے رکھنے کا ہے درپیش سوال
یہ وہ موقعہ ہے کہ خود شاہِ جہاں ہے موجود
جن کی شاہی یہ ہو قربان فقیری کا جلال
کر کے مجمع سے خطاب آپ یہ فرماتے ہیں
سنگِ بنیاد رکھے اس کا وہی نیک خصال
جس نے اک شب نہ قضا کی ہو تہجد کی نماز
جس کے ایمان میں اک لمحہ نہ آیا ہو زوال

جمع ہر سمت مسلماں ہیں مگر سب ہیں خموش
کہ نہیں ایک بھی اس طرح کی موجود مثال
بات اتنی سی ہے لیکن ہیں سبھی مُہر بہ لب
سنگِ بنیاد رکھے کون پریشاں ہیں خیال
اس پہ خود ہاتھ میں بُنیاد کا پتھر لے کر
رکھتے ہیں آپ شہنشاہ بہ شاہانہ جلال
رمزِ درویشی و شاہی نہ سمجھنے والے
دیدۂ دِل سے ذرا دیکھ فقیری کی مثال

RekhtaDownload.com

ہندوستاں ہمارا

(زیرِ تصنیف طویل نظم "جمہور نامہ" کا ایک باب)

حضرت خواجہ سیّد نظام الدّین اولیا، محبوبِ الٰہیؒ

حقیقت فاش ہے یہ اہلِ معنی کی زبانوں سے
کہ خاکِ ہند کا رُتبہ ہے اُونچا آسمانوں سے
یہ ہے خاکِ مُقدّس، اس کے ذرّوں کی درخشانی
ستاروں کے لیے اکثر بنی سامانِ حیرانی
محبّت کی یہاں شمعیں جلیں اس جانگدازی سے
کہ واقف ہو گیا انسان رسمِ دلنوازی سے
انھی شمعوں میں کچھ ایسی ہیں جو اب تک فروزاں ہیں
کئی گوشے ہماری زندگی کے ان سے تاباں ہیں

اک ایسی ہی محبت پاش لَو دہلی میں رَوشن ہے
جمالِ زندگی کی پاک ضَو دہلی میں رَوشن ہے
یہ ضَو کیا ہے؟ فروغِ صدق ہے، تنویرِ ایماں ہے
یہ ضَو کیا ہے شعاعی خط میں اک تفسیرِ ایماں ہے
یہ ہے درگاہِ محبوبِ الٰہی کی درخشانی
جو ہے اہلِ نظر کے واسطے تنویرِ رُوحانی
یہ وہ درگاہِ اقدس ہے یہ وہ دربارِ عالی ہے
کہ حاجت سے ہے مستغنی جو اس دَر کا سوالی ہے
یہ درگاہِ نظام الدّین محبوبِ الٰہی ہے
یہاں کی حاضری دونوں جہاں کی بادشاہی ہے
یہاں آکر دِلوں کے آئینے اشکوں سے دھلتے ہیں
یہاں آکر حضور و غیب کے اَسرار کُھلتے ہیں
یہاں زائر جب آتا ہے سکونِ قلب پاتا ہے
یہاں ہر طالبِ حق ذاتِ حق سے لَو لگاتا ہے
یہاں آکر بلند و پست کا جھگڑا نہیں رہتا
یہاں آکر کوئی اُونچا کوئی نیچا نہیں رہتا

یہاں آکر بشر کی زندگی مسرور رہتی ہے
کہ پرچھائیں تعصب کی یہاں سے دُور رہتی ہے

یہاں تفریقِ مذہب راہ پا سکتی نہیں ہرگز
کدُورت اِس مقدّس گھر میں آسکتی نہیں ہرگز

یہاں دو پھُول ہیں ہندو مسلماں اِک گلستاں کے
یہ دونوں ہیں دِیئے اس ایک ہی جشنِ چراغاں کے

یہاں ہر ایک جانب بادۂ عرفاں کی مستی ہے
یہاں شام و سحر افلاک سے رحمت برستی ہے

خلوصِ دل سے اِس درگاہِ عالی پر جو آتے ہیں
دُعا کو ہاتھ اُٹھاتے ہیں دُرِ مقصود پاتے ہیں

حرفے از خاندانِ چشتیہ

یہ چشتی خانداں نازاں ہے جس پہ رتبۂ عالی
بِنا خواجہ[1] نے اس کی وادیِ اجمیر میں ڈالی

---

[1] خواجہ معین الدین چشتی رح

پھلا پھولا بڑھا یہ خانداں اک پیڑ کی صورت
زمیں پر اس کا پھیلا سائباں اک پیڑ کی صورت
تناور پیڑ ہے یہ اور شاخیں ہیں کئی اس کی
ہزاروں دور گزرے پھر بھی صورت ہے نئی اس کی
مگر اک شاخ نے اوروں سے بڑھ کر نام پایا ہے
کہ اس کا آج تک انسانیت کے سر پہ سایا ہے
نظامی سلسلہ اس شاخِ حق کا نام نامی ہے
کہ اس کا منبع و مخرج وہی ذاتِ گرامی ہے
نظام الدین محبوبِ الٰہی جن کو کہتے ہیں
یہاں کی اور وہاں کی بادشاہی جن کو کہتے ہیں
جنید و بایزیدِ وقت انھیں تاریخ کہتی ہے [۱]
وہ جن کی یاد سے یادِ مسیحا زندہ رہتی ہے [۲]

---

[۱] مشہور مورخ ضیاالدین برنی نے آپ کو جنید و بایزیدِ وقت کہا ہے۔

[۲] حضرت خواجہ امیر خسرو نے اپنے بعض قصائد کے عنوانات میں حضرت محبوبِ الٰہی کو مسیحائے وقت کے نام سے یاد کیا ہے۔

RekhtaDownload.com

زبانِ حضرتِ اقبال پر ہے داستاں جن کی[1]
انھیں دہلی میں لائی آرزوئے آستاں جن کی

وہ محبوبِ الٰہی بھی ہیں محبوبِ زمانہ بھی
وہ دینِ حق کا نغمہ بھی ہیں دُنیا کا ترانہ بھی

انھی کا سلسلہ ہے یہ نظامی سلسلہ اے دل!
وطن کی آبرو ہے یہ گرامی سلسلہ اے دل!

نظامی سلسلہ عالم میں ہے اک نور کی دنیا
اندھیرے کی تہوں میں ہے چراغِ طور کی دنیا

اسی کے نور سے ہیں دونوں عالم کے طبق روشن
اسی کی ضَو سے ہیں جمہور نامے کے وَرق رَوشن

مگر اب پھر نہیں چھیڑوں گا میں یہ ذکرِ رُوحانی
کہ ہے اس باب میں موجُود اس کی جَلوہ سامانی

ضرورت اب نہیں ہے پھر مری شیریں مقالی کی
کہ پہلے کرچکا ہوں بات اس درگاہِ عالی کی

---

[1] فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا — بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا
(اقبال)

سلطان المشائخ حضرت خواجہ سید نظام الدین

اولیاء محبوب الٰہیؒ کے سیکڑوں سال بعد

امام الاولیاء، قطب زماں، فانی فی اللہ باقی باللہ

حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی قدس سرہ

اب اس خورشید معنی کی شعاعیں جلوہ ساماں ہیں
زمین ہند کے ذرے درخشاں ہیں فروزاں ہیں
نصیر الدین سے دہلی کی دنیا جگمگاتی ہے
یہ خاک اس نام نامی سے بڑا اعزاز پاتی ہے
دکن کی سرزمیں ہے نام فخر الدین پر نازاں
فضا پنجاب کی نور محمدؒ[1] سے ہوئی تاباں
اور ان کے ساتھ اک ایسا مقدس نام آتا ہے
بشر کے نام گویا عرش سے پیغام آتا ہے

---

[1] مولانا نور محمد مہاروی۔

وہ ایسا نام ہے حاصل ہے جس کو اک مقام اب تک
اسے کہتی ہے دنیا نائبِ خیر الانام اب تک
وہ ہے مجموعۂ عرفان و فیضان و کرامت بھی
بشر کے واسطے گنجینۂ لطف و عنایت بھی
وہ نامِ صدق ہے، نامِ یقیں ہے، نامِ عالی ہے
وہ ایسا نام ہے جس پر فدا گوہر مقالی ہے
امام الاولیاء، قطبِ زماں خواجہ کلیم اللہ
وقار و نازشِ ہندوستاں خواجہ کلیم اللہ
حجازی خاک کی تقدیس کا اعجاز کیا کہیے
ہے اس کا ذرہ ذرہ کتنا سرافراز کیا کہیے
ذرا دیکھو تو اس خاکِ مقدس کی درخشانی
کہ پھیلی ہے جہاں میں چار جانب اس کی تابانی
یہ ریگستاں نہ ہو کیوں رتبہ و اقبال کی دنیا
کہ اک دن رہ چکا ہے آمنہ کے لال کی دنیا
نہ کیوں یہ خاکِ تابندہ ہو گردوں سے کہیں بڑھ کر
چلا ہے جب کہ دانائے سُبُل ختم الرسل اس پر

اِسی مٹی نے اپنی روشنی جب عام فرمائی
تو اِس سے حضرتِ یحییٰ[1] نے اپنی رُوح چمکائی

امام اولیاء کی ذات تک پھر اس کا نُور آیا
یہ نُور آیا تو ان کی زندگی میں اک سُرور آیا

سُرورِ زندگی پھر نُطق گوہر بار میں چمکا
یہ اپنے دَور کی ہر ظلمتِ پیکار میں چمکا

دُھلا اِس آبِ حق سے قلبِ انساں کا غبار اکثر
اِسی کے فیض سے فاسق بنے پرہیزگار اکثر

بیاں میں تھی وہ نُدرت گفتگو میں تھی وہ شیرینی
کہ ہوتی تھی بشر سے دُور دلگیری و غمگینی

دلِ انساں میں بات اُن کی عجب اِک کیف بھرتی تھی
وہ دِل ہی سے نکلتی تھی وہ دِل ہی میں اُترتی تھی

---

[1] حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ اپنے زمانے کے مشہور اکابر صوفیہ میں سے تھے۔ ۲۰ رمضان ۱۰۱۰ھ کو احمد آباد میں پیدا ہوئے ..... آپ آخر عمر میں ایک روحانی اشارے پر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور وہیں ۲۰ صفر ۱۱۰۱ھ کو وصال فرمایا اور امیر المومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مقبرے کے متصل دفن ہوئے۔ (حیاتِ کلیم" مصنفہ شبیر حسن چشتی نظامی)

یہی تعلیم تھی دراصل کالی کملی والے کی
کہ جس کے فیض سے دُنیا نے دیکھی شکل اُجالے کی

یہ دریا تھا روانی کا، بلاغت کا، فصاحت کا
معارف کا سمندر اور چشمہ تھا طلاقت کا

اِسی چشمے پہ اک دُنیا نے پیاس اپنی بُجھائی ہے
اسی چشمے کو حاصل رُوحِ انساں تک رسائی ہے

ہوئے سیراب اس چشمے سے ہندو بھی، مسلماں بھی
دلِ نامطمئن بھی اور افکارِ پریشاں بھی

"یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی
اخوّت کی جہانگیری محبّت کی فراوانی"

امام الاولیا جب مائلِ تقریر ہوتے تھے
کبھی خوشبو گلستاں کی، کبھی شمشیر ہوتے تھے

خطابت میں جلالی شان بھی جلوہ دکھاتی تھی
معانی میں جمالی کیفیت بھی جھلملاتی تھی

جنابِ شیخ کی سحر آفریں آواز کیا شے تھی
بشر کی روح پر اک وجد طاری تھا یہ وہ مے تھی

یہی تقریر کا عالم اگر تحریر بنتا تھا
انوکھی شان کی اک دِل نشیں تنویر بنتا تھا

شرابِ علم کا جاری ہوا گویا وہ میخانہ
کہ ہر تصنیف تھی روحانیت کا ایک پیمانہ

کہیں تفسیرِ قرآنی کا جلوہ آشکارا ہے
کہیں "کشکول" نے عرفاں کی محفل کو سنوارا ہے

"مرقع" ہے کہیں ضو بارِ ایماں کے تفکر کا
کہیں ہیں ان کے مکتوبات مجموعہ تاثر کا

ٹھکانا ہی نہیں اس بحرِ عرفاں کی روانی کا
کہ جو بھی لفظ ہے وہ ایک گوہر ہے معانی کا

سادگی

جو اُن کی سادگی تھی اک عجب شے تھی زمانے میں
حقائق کم ہیں ایسے، زندگی! تیرے فسانے میں[1]

---

[1] تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت کا ایک مہینے کا خرچ دو روپے آٹھ آنے سے کبھی آگے نہیں بڑھا۔

Rekhtabooks.com

کبھی قحط آ گیا یا اتفاقی صرف ـــ آ پہنچا
تو گھر کا خرچ اپنی حد سے کچھ آگے کو جا پہنچا
انھیں اس حال میں مقروض ہو جانا گوارا تھا
مگر دربارِ شاہی کا عطیہ ناگوارا تھا
"دوا ہر دُکھ کی ہے مجرُوحِ تیغِ آرزُو رہنا
علاجِ زخم ہے آزادِ احسانِ رفُو رہنا"

اخلاق

عجب اخلاق کی تصویر تھی زرّیں حیا اُن کی
مزیّن علم و صبر و ضبط سے تھی کائنات اُن کی
اگر دشمن کبھی اُن کو کوئی تکلیف پہنچاتے
تو یہ اشعار اُن کے نطقِ گوہر بار پر آتے
"ہر کہ مارا رنجہ دارد راحتش بسیار باد
ہر کہ مارا یار نبود ایزد اورا یار باد

ہر کہ خارے بر نہد در راہِ ما از دشمنی
ہر گلے کز باغِ عمرش بشگفد بے خار باد!"

دکن والوں سے حسبِ تکلیفِ بیجا پائی حضرت نے
دعائے خیر اُن کے واسطے فرمائی حضرت نے
غرض اک چشمۂ صدق و صفا تھی ذاتِ پاک اُن کی
ورق اک نور کا تھا زندگی تابناک اُن کی
یہ نازک دور تھا ہندوستاں کی زندگانی میں
خزاں چھلکی ہوئی تھی اس بہارِ بوستانی میں
امیروں کی خوشامد، مدح خوانی، عام شیوہ تھا
یہ شیوہ تھا کہ شاید زندگی کا اک فریضہ تھا
دلوں سے ہو چکا تھا محو نقشِ صدق و دینداری
مشاغل رہ گئے تھے صرف بدکاری و مے خواری
چلایا آپ نے وہ سلسلۂ رشد و ہدایت کا
کہ دل انساں کا پھر قائل ہُوا زہد و عبادت کا
ہر اک شُورا ستی، ایثار کی تلقین فرمائی
عمل سے عظمتِ کردار کی تلقین فرمائی

Rekhta Download.com

دکھائی راہِ حق اِن کو جو سچی راہ بھولے تھے
بنایا راست باز اُن کو جو گمراہی پہ پھولے تھے

وطن میں آپ نے نورِ ہدایت عام فرمایا
تو منزل کا نشاں گم گشتگانِ راہ نے پایا

دِل اس نورِ معانی سے ستاروں کی طرح چمکے
جو ذرّے تھے فلک پر ماہ پاروں کی طرح چمکے

"چہ باید مرد را طبعِ بلندے، مشربِ نابے
دلِ گرمے، نگاہِ پاک بینے، جانِ بے تابے"

RekhtaDownload.com

بھارت کے مُسلماں

اِس دَور میں تو کیوں ہے پریشاں و ہراساں
کیا بات ہے کیوں ہے مُتزلزل ترا ایماں
دانش کدۂ دہر کی اے شمعِ فروزاں
اے مطلعِ تہذیب کے خورشیدِ درخشاں
حیرت ہے گھٹاؤں سے ترا نور ہو ترساں
بھارت کے مُسلماں

تُو دردِ محبت کا طلب گار ازل سے
تو مہر و مُروّت کا پرستار ازل سے
تو محرمِ ہر لذتِ اَسرار ازل سے
وِرنہ ترا رعنائیٔ افکار ازل سے
رعنائیِ افکار کو کر پھر سے غزلخواں
بھارت کے مُسلماں

ہرگز نہ بُھلا میر کا غالب کا ترانہ
بن جائے کہیں تیری حقیقت نہ فسانہ
قزاقِ فنا کو تو ہے درکار بہانہ
تاراج نہ ہو قاسم[1] و سیّد[2] کا خزانہ
اے قاسم و سیّد کے خزانے کے نگہباں
بھارت کے مسلماں

---

[1] مولانا محمد قاسم نانوتوی جنھوں نے مدرسۂ دیوبند کی بنیاد رکھی۔

[2] سر سید احمد خاں بانی علی گڑھ مُسلم یونی ورسٹی علی گڑھ۔

حافظ کے ترنم کو بسا قلب و نظر میں
رومی کے تفکر کو سجا قلب و نظر میں
سعدی کے تکلم کو بٹھا قلب و نظر میں
دے نغمۂ خیام کو جا قلب و نظر میں
یہ لحن ہو پھر ہند کی دنیا میں پرافشاں
بھارت کے مسلماں

بھارت کا تو فرزند ہے بیگانہ نہیں ہے
یہ دیس ترا گھر ہے تو اس گھر کا مکیں ہے
تابندہ ترے نور سے اِس گھر کی جبیں ہے
کس واسطے افسردہ و دلگیر و حزیں ہے
پہلے کی طرح باغِ وطن میں ہو نوا خواں
بھارت کے مسلماں

میرا ہی نہیں ہے یہ گُلستاں ہے ترا بھی
ہر سرو و گل و لالہ و ریحاں ہے ترا بھی
اِس خاک کا ہر ذرۂ تاباں ہے ترا بھی
اِس بحر کا ہر گوہرِ رخشاں ہے ترا بھی
دامن میں اُٹھالے یہ سبھی گوہرِ رخشاں
بھارت کے مُسلماں

کشمیر کے پھولوں کی رِدا تیرے لیے ہے
دامانِ ہمالہ کی ہوا تیرے لیے ہے
میسور کی جاں بخش فضا تیرے لیے ہے
مدراس کی ہر موجِ صبا تیرے لیے ہے
اب خواب سے بیدار ہو سوئے ہوئے انساں
بھارت کے مُسلماں

گزری ہوئی عظمت کا زمانہ ہے ترا بھی
تلسی کا دل آویز ترانہ ہے ترا بھی
جو کرشن نے چھیڑا تھا فسانہ ہے ترا بھی
میرا ہی نہیں ہے یہ خزانہ ہے ترا بھی
چھوڑ اب مرے پیارے گلۂ تنگیِ داماں
بھارت کے مُسلماں

سانچی کو ذرا دیکھ، اجنتا کو ذرا دیکھ
ممکن ہو تو ناسک کو ایلورا کو ذرا دیکھ
بگڑی ہوئی تصویرِ تماشا کو ذرا دیکھ
بکھری ہوئی اِس علم کی دُنیا کو ذرا دیکھ
اس فن پہ فقط میں ہی نہیں تو بھی ہو نازاں
بھارت کے مُسلماں

RekhtaDownload.com

طوفان میں تُو ڈھونڈ رہا ہے جو کنارا

امواج کا کر دیدۂ باطن سے نظارا

ممکن ہے کہ ہر موج نظر کو ہو گوارا

ممکن ہے کہ ہر موج بنے تیرا سہارا

ممکن ہے کہ ساحل ہو پسِ پردۂ طوفاں

بھارت کے مسلماں

گلزارِ تمنا کا نکھرنا بھی یہیں ہے

دامن گلِ مقصود سے بھرنا بھی یہیں ہے

ہر مشکل و آساں سے گزرنا بھی یہیں ہے

جینا بھی یہیں ہے جسے مرنا بھی یہیں ہے

کیوں منزلِ مقصد سے بھٹک جائے وہ انساں

بھارت کے مسلماں

RekhtaDownload.com

"مانند صبا خیز و وزیدن دگر آموز"

"اندر دلک غنچہ خزیدن دگر آموز"

"در انجمنِ شوق طپیدن دگر آموز"

"نومید مشو نالہ کشیدن دگر آموز"

اے تو کہ لیے دل میں ہے فریادِ نیستاں

بھارت کے مسلماں

ظاہر کی محبت سے مروت سے گزر جا

باطن کی عداوت سے کدورت سے گزر جا

بیکار و دل افگار قیادت سے گزر جا

اس دور کی بوسیدہ سیاست سے گزر جا

اور عزم سے پھر تھام ذرا دامنِ ایماں

بھارت کے مسلماں

RekhtaDownload.com

ہم دونوں بہم مل کے ہوں بھارت کے محافظ
دونوں نہیں اس مُلک کی عظمت کے محافظ
دیرینہ مودت کے مروت کے محافظ
اِس دیس کی ہر ایک روایت کے محافظ
ہو نامِ وطن تاکہ بلندی پہ درخشاں
بھارت کے مُسلماں

اِسلام کی تعلیم سے بے گانہ ہُوا تُو
نا محرمِ ہر جُراتِ رندانہ ہوا تُو
آبادیِ ہر بزم تھا وِیرانہ ہوا تو
تُو ایک حقیقت تھا اب افسانہ ہوا تُو
ممکن ہو تو پھر ڈھونڈ گنوائے ہوئے ساماں
بھارت کے مُسلماں

اجمیر کی درگاہِ معلّیٰ[1] تری جاگیر

محبوبِ الٰہی[2] کی زمیں پر تری تنویر

ذرّات میں کلیر[3] کے فروزاں تری تصویر

ہانسی[4] کی فضاؤں میں ترے کیف کی تاثیر

سرہند[5] کی مٹی ہے ترے دم سے فروزاں

بھارت کے مسلماں

RekhtaDownload.com

۱؎ خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتیؒ۔

۲؎ سلطان الاولیا حضرت سید نظام الدین قدس اللہ سرہٗ۔

۳؎ حضرت علاؤ الدین صابرؒ۔

۴؎ حضرت شیخ جمال ہانسویؒ۔

۵؎ حضرت سید مجدد الف ثانی۔

ہر ذرۂ دہلی[1] ہے تری ضَو سے منوّر

پنجاب کی مستی اثرِ جذبِ قلندر[2]

گنگوہ کی تقدیس ہے قدوس[3] سراسر

ٹپنے کی زمیں نکہتِ خواجہ[4] سے معطّر

مدراس کی مٹی میں نہاں تاجِ شہیداں[5]

بھارت کے مسلماں

---

[1] اشارہ ہے مزاراتِ حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلی و حضرت سرمدؒ اور دیگر اولیائے کرام کے مزاروں کی جانب۔

[2] حضرت بُو علی شاہ قلندر جن کا مزار پانی پت میں ہے۔

[3] حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی جن کا مزار گنگوہ ضلع سہارن پور میں ہے۔

[4] خواجہ اسحٰقؒ

[5] مولوی سید احمد اللہ شاہ قادری مدراسی۔

RekhtaDownload.com

بسطامی[1] و بصری[2] و عراقی[3] و غزالی[4]

جس علم کی، جس فقر کی دُنیا کے تھے والی
حیرت ہے تُو ہے اب اُسی دُنیا میں سوالی
ہے گوشۂ پستی میں تری ہمّتِ عالی
افسوس صد افسوس تری تنگیِ داماں
بھارت کے مسلماں

گر یاد نہیں حیدر و ٹیپو کی کہانی
سُن جا کے یہ میسُور کے ذرّوں کی زبانی
اُس دور سے وابستہ ہے جو دردِ نہانی
ہے آج بھی سرمایۂ عظمت وہ نشانی
کس سوز سے امواج کویری ہیں نوا خواں
بھارت کے مسلماں

---

[1] حضرت بایزید بسطامی۔ [2] حضرت حسن بصری [3] ع نخستین بادہ کاندر جام کردند۔

[4] حضرت امام غزالی۔

RekhtaDownload.com

مذہب جسے کہتے ہیں وہ کچھ اور ہے پیارے

نفرت سے پرے اس کا ہر اک طور ہے پیارے

تفسیر غلط ہو، یہ بڑا جور ہے پیارے

عقل و خرد و علم کا یہ دور ہے پیارے

اِس دور میں مذہب کی صداقت ہو نمایاں

بھارت کے مسلماں

اسلام تو مہر اور مروّت کا بیاں ہے

اخلاص کی رُوداد محبت کا بیاں ہے

ہر شعبۂ ہستی میں صداقت کا بیاں ہے

اک زندہ و پائندہ حقیقت کا بیاں ہے

کیوں دل میں ترے ہو نہ حقیقت یہ فروزاں

بھارت کے مسلماں

RekhtaDownload.com

اِسلام کی تعلیم فراموش ہوئی کیوں

اِنسان کی تعظیم فراموش ہوئی کیوں

باطن کی وہ تنظیم فراموش ہوئی کیوں

اخلاص کی اقلیم فراموش ہوئی کیوں

حیرت میں ہوں مَیں دیکھ کے یہ عالمِ نسیاں

بھارت کے مُسلماں

قُرآن کی تعلیم سے پھر درسِ بقا لے

پھر رُوح میں پیغامِ محمدؐ کو بسا لے

گزُرے ہوئے عظمت کے زمانے کو بُلا لے

رُوٹھی ہوئی ایمان کی دولت کو منا لے

ایمان کی دولت کو گنوائے ہوئے انساں

بھارت کے مُسلماں

RekhtaDownload.com

ماحول کی ہو تازہ ہوا تُجھ کو گوارا

درکار ہے تہذیب کو پھر تیرا سہارا

کر آج نئے رنگ سے دُنیا کا نظارا

چمکے گا پھر اک بار ترے بخت کا تارا

ہو جائے گی تاریکیِ ماحول گُریزاں

بھارت کے مُسلماں

۱۹۴۹ء

RekhtaDownload.com

قُرطبہ سے ویلنشیا تک

اُندلس کی سرزمین تماشائے رنگ و بُو
کل تو مرے خیال میں تھی آج رُو برُو
پوشیدہ خاک میں تو فضا میں نہاں کہیں
تیرا اجال پردہ بہ پردہ ہے تُو بہ تُو
ہسپانیہ ہے آج اگر سرزمینِ گُل
اس سرزمینِ گُل کا گُل سرسبد ہے تُو
آخر یہ کیا طلب ہے کہ دل میں لیے ہُوئے
مَیں پھر رہا ہوں شہر بہ شہر اور کُو بہ کُو

RekhtaDownload.com

میری نگاہ میں حرمِ قرطبہ ہے آج

کل تھے مِری نظر میں طلیطلہ[1] کے کاخ و کُو

راہِ وفا میں کون کسی کا رفیق ہے

ہمراہ دل ہے آج فقط دل کی آرزو

کیوں ہیں خموش قصرِ سلاطیں[2] کے بام و در

اے دل کہاں یہ لے کے مجھے آگیا ہے تُو

اک منبعِ ادب[3] کا یہاں کیا پتہ چلے

آساں نہیں یہاں تو خود اپنی ہی جُستجو

---

[1] آج اس شہر کو ٹیلڈو کہتے ہیں مُسلمانوں کے دَورِ حکومت میں یہ شہر اسپین کا دارالحکومت تھا۔

[2] اشارہ ہے غرناطہ کے شاہی محلات کی جانب۔ الحمرا کا نام تو آج دُنیا بھر میں مشہور ہے۔ لیکن اس کے علاوہ اور بھی محل ایسے ہیں جو آج بالکل گمنام ہیں اور آٹھ صدیاں پہلے کی عظمت کا بخوبی پتہ دے رہے ہیں۔

[3] مُرسیہ، یہ غرناطہ سے کوئی تین سو میل مشرق میں ساحلِ بحر کے قریب ایک بارونق شہر ہے۔ یہ شہر شیخ محی الدّین ابن عربی کا مولد ہے۔ لیکن اس وقت وہاں کوئی ایسی یادگار نہیں جو اس تاریخی مقام کی نشان دہی کر سکے۔

سنسان میکدوں میں مری تشنگی کی خیر
اب وہ شراب ہے نہ وہ ساقی نہ وہ سبو

مسجد[1] کے زیرِ سایہ خرابات دیکھ کر
اک بار سرد ہو ہی گئی شمعِ آرزو

تیرے جہاں میں آکے مگر اے ویلنشیا[2]
جیسے کہ جم گیا ہو رگوں میں مری لہو

رقصاں بشر کی روح جہاں تھی وہاں ہے آج
رقصاں فقط برہنگیِ جسم چار سو

---

[1] میں نہیں کہہ سکتا کہ جب علامہ اقبال نے مسجدِ قرطبہ کی زیارت کی تھی تو صورتِ حال کیا تھی لیکن جب میں وہاں پہنچا تو مسجد کے عین سامنے ہی ایک میخانہ تھا اور پشت پر بھی۔

[2] اسپین کے دو شہروں میں سے ایک جہاں کی عورتوں کے رقص، مخصوص برہنہ اور نیم برہنہ رقص یورپ بھر میں مشہور ہیں۔ دوسرا شہر بارسلونا ہے جو ویلنشیا سے مارسیلز جاتے ہوئے میرے راستے میں آیا۔

Rekhtadownload.com

رفتارِ وقت دیکھ رہا ہُوں ترا طلسم

طوفاں سمٹ کے آج فقط رہ گیا ہے جو

ڈھونڈے سے بھی نہ اس کا مجھے مل سکا سُراغ

تہذیب وہ کہ جو تھی زمانے کی آبرُو

میخانۂ حیات کا عالم کہوں تو کیا

رِند آج کم طلب ہے تو ساقی تہی کدُو

RekhtaDownload.com

ایک مشرقی رقاصہ کے نام

پیرس کے ایک روح فرسا منظر سے متاثر ہو کر

توصیف کی طالب ہے جو تو مجھ سے تو سُن لے
آنکھیں تری روشن ہیں پہ ترا دِل نہیں بینا

اے غرقِ تلاطم یہ بُری بات نہیں ہے
اب بھی جو اُبھر آئے کبھی تیرا سفینہ

جس نُور کی شدت سے ہیں آنکھیں تری خیرہ
بجلی کی چمک ہے وہ نہیں جلوۂ سینا

RekhtaDownload.com

وہ ہند ہو یا پاک ہوائے دُخترِ مشرق
آئے گا انھیں راس نہ مغرب کا قرینہ
افرنگ میں آ تو گئی بصر اس کو بنا لے
حاصل ہو کسی طرح اگر خاکِ مدینہ

RekhtaDownload.com

مُرسیہ

شیخ محی الدین ابنِ عربی کے زادبوم مُرسیہ (اسپین) میں لکھی گئی

کیوں نہ ممتازِ جہاں ہو تری عالی نسبی
تو ہے وہ شہر کہ ہے مولدِ ابنِ عربی
مُرسیہ! ان سے فرومایہ نہیں رُتبہ ترا
قرطبہ ہے کہ ہے غرناطہ کہ اشبیلیہ
تُو بھی ہے خاتمِ اُندلس میں نگینے کی طرح
تو بھی طوفانِ جہاں میں ہے سفینے کی طرح
تری مٹی کا فسوں موجِ گلستاں میں نہیں
ترے ذرّوں کی چمک لعلِ بدخشاں میں نہیں
کل تھا جس طرح طلیلہ مرا مقصودِ سفر
آج تو عین اسی طرح ہے مسجودِ نظر

RekhtaDownload.com

کچھ حقیقت کی خبر ہو مجھے واللہ نہیں
اور میں شیخ کے رُتبے سے بھی آگاہ نہیں
ایک زائر ہُوں ترا علم ہے بیگانہ سہی
تُو بلاشبہ حقیقت ہے میں افسانہ سہی
مجھ کو لیکن دلِ بیتاب لیے پھرتا ہے
دن ہو یا رات ہو یہ خواب لیے پھرتا ہے
مرشد لعلِ ادب کا تجھے معدن کہیے
یا تجھے نُطقِ گہربار کا مخزن کہیے
کشتیِ رُوح کا طوفاں میں سہارا تُو ہے
یہ جہاں ایک سمندر ہے کنارا تُو ہے
اور چمکیں گے تِری خاک کے ذرّات ابھی
تجھ کو معلوم نہیں تیرے مقامات ابھی
وقت آئے گا جب اسپین تجھے جانے گا
جو ترا رُتبۂ عالی ہے وہ پہچانے گا
آج ناقدریِ ایام سے تاراج ہے تُو
ورنہ ایام کے ماتھے کا حسیں تاج ہے تُو

(۲۸ اکتوبر ۱۹۶۲ء)

ابوالکلام آزاد

جس کا دھڑکا تھا بالآخر وہ گھڑی بھی آگئی
وہ خبر آئی کہ بزمِ زندگی تھرا گئی
روشنی جس کی حریمِ روح کو چمکا گئی
ظلمتِ مرگ اُس ستارے کو بھی آخر کھا گئی
جس سے روشن اپنے سینے تھے منور تھے دماغ
بجھ گیا وہ علم کا، حکمت کا، دانش کا چراغ

RekhtaDownload.com

بجھ گیا اے زندگی! تیرا چراغِ علم و فن
غرقِ ظلمت ہو گئی علم و ادب کی انجمن
یوں چلا بادِ خزاں کا ایک جھونکا دفعتہً
رہ گیا مرجھا کے تہذیب و تمدن کا چمن
اب چمن اس وضع کا اے دل نہ کھلنے پائے گا
بوالکلام آزاد کا ثانی نہ ملنے پائے گا

اے وطن! تیرا امیرِ کارواں جاتا رہا
ناز تھا جس پر وہ گنجِ شائگاں جاتا رہا
داستاں کیسی کہ زیبِ داستاں جاتا رہا
اے کلام اللہ تیرا ترجماں جاتا رہا
جس کی تحریروں سے روشن تھی شبِ افکارِ شرق
آج ٹھنڈا ہے وہ سوزِ سینۂ احرارِ شرق

نطق کا، فن کا، ہنر کا، علم کا عرشِ عظیم
کشورِ ہندوستاں میں طورِ معنی کا کلیم
آبروئے عصرِ حاضر نازشِ دورِ قدیم
فلسفے کے اور مذہب کے گلستاں کی شمیم
یہ خزانہ زندگی آخر کہاں گم ہوگیا
ظلمتوں میں اک شرارِ جاوداں گم ہوگیا

بو الکلام اے کاروانِ علم و حکمت کے امیر
مرشدِ روشن بصر روشن دِل و روشن ضمیر
آسمانِ جذبۂ اخلاص کے مہرِ منیر
تونے دُنیا کو دکھا دی عظمتِ شانِ فقیر
فاش تھی تیری نگاہوں پر نمودِ زندگی
تیرا ہر نکتہ ضمیرِ اندر وجودِ زندگی

RekhtaDownload.com

عِلم کی محفل میں گاہے دُرفشاں گاہے خموش
زندگی کے معرکے میں پختہ کار و سخت کوش
اے فقیرِ خوش کلام و نرم خوئے و سادہ پوش
ہائے تو کتنا ادائے فرض میں تھا گرم جوش
تیری نظروں پر عیاں تھا روزگارِ شرق و غرب
تیری حکمت تھی سراپا رازدارِ شرق و غرب

کھِل اُٹھی جب بھی کبھی میرے مقدّر کی کلی
خوبیِ تقدیر تیرے پاس مجھ کو لے چلی[1]
ناز اَوجِ بخت پر اور ساتھ دل کی بے کلی
فاش تھے باریک تر نکتے بہ عُنوانِ جَلی
تازگی حاصل وہ ہوتی تھی تِری گفتار سے
روح کو ملتی ہے جو اقبال کے اشعار سے

---

[1] میں محبِ صادق پروفیسر محمد اجمل خاں کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں جن کی بدولت مجھے مولینا مرحوم کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔

تیرے دم سے تھا سیاست کو بھی حاصل اک وقار
تیری سطوت ملک و دولت کے لیے سنگیں حصار
عصرِ نو میں اے دیارِ فقر و دیں کے تاجدار
تیرے دل کا صدق تھا تیری نظر سے آشکار
جلوہ آرا نورِ قرآنی ترے سینے میں تھا
جوہرِ خورشید تیرے دل کے آئینے میں تھا

نالہ کش ہیں موت پر تیری ادیبانِ وطن
گریہ ساماں ہیں سراپا نغمہ سنجانِ وطن
کچھ خبر بھی ہے تجھے او عظمت و شانِ وطن
ہم نے یوں دیکھی نہ تھی صبحِ پریشانِ وطن
زندگی جن کے لیے ہے امتحاں تیرے بغیر
اب سنائیں کس کو اپنی داستاں تیرے بغیر

RekhtaDownload.com

کیا بتائیں ہم ترے جانے سے کیا جاتا رہا
کشتیِ علم و ادب کا ناخدا جاتا رہا
ہند کے اہلِ قلم کا آسرا جاتا رہا
تیرے دم سے تھا جو باقی حوصلہ جاتا رہا
جانے والے اک ترے جانے سے کیا باقی نہیں
زندگی کی بزم باقی ہے مگر ساقی نہیں

گرچہ اے دہلی! ترے دل میں دفینے ہیں بہت
تیرے ہر گوشے میں پوشیدہ خزینے ہیں بہت
تیری مٹی میں نہاں بے تاب سینے ہیں بہت
تو وہ دریا ہے کہ گم تجھ میں سفینے ہیں بہت
آج لیکن تجھ میں اک نخرِ زمن خوابیدہ ہے
پیکرِ صدق و صفا و علم و فن خوابیدہ ہے

جس کی ساری داستاں تھی داستانِ علم و فن
جس کی موجِ نطق سے آباد تھا اپنا چمن
جس کو کہیے آبروئے شیخ و فخرِ برہمن
آج سوتا ہے تری مٹی میں وہ نازِ وطن
نور سے معمور اک ہیرا ترے دامن میں ہے
جس نے ظلمت کا جگر چیرا ترے دامن میں ہے

ناز کر بختِ رسا پر خاکِ دہلی ناز کر
تیری خاکِ پاک میں پنہاں جو ہیں لاکھوں گہر
آج شامل ان میں ہے وہ صاحبِ ذوقِ نظر
فکر جس کی تھی تجلّی بخشِ خورشید و قمر
کیا کہوں دہلی تجھے کیا سروری حاصل ہے آج
تیری مٹی کو فلک پر برتری حاصل ہے آج

RekhtaDownload.com

اے غلاموں کا لہو گرمانے والے الوداع
آگ سی الفاظ میں برسانے والے الوداع
خود تڑپ کر بزم کو تڑپانے والے الوداع
اے جگا کر ہند کو سو جانے والے الوداع
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

RekhtaDownload.com

اے کشورِ ہندوستاں

ایک طویل نظم کا انتخاب

اے کشورِ ہندوستاں اے خطۂ جنت نشاں
اے سجدہ گاہِ قدسیاں
اے منبعِ انوارِ حق! اے کعبۂ رُوحانیاں
اے قبلۂ رُوحانیاں اُونچا رہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

اے عالمِ دُنیا و دیں اے سِرِّ قفلِ آہنیں
اے چہرۂ حُسنِ یقیں
ہے تیری خاکِ پاک کا ہر ذرّہ حکمت آفریں
سِرِّ حقیقت کے جہاں اُونچا رہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

RekhtaDownload.com

گوتم کے اے آرام جاں نانک کی بانی کے جہاں
فکر و نظر کے آستاں

اجمیر کی درگاہ سے تیری زمیں ہے آسماں
ذرّے ہیں تیرے کہکشاں اونچا رہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

صابرؒ یہیں عنبر چکاں کاکیؒ یہیں گوہر فشاں
حسن سے زمیں ہے آسماں
گورِ نظام الدیںؒ کے ہیں ذرّے حریفِ کہکشاں
رُوحانیت کے راز داں اُونچا رہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

اے سرزمینِ علم و فن فخرِ جہاں فخرِ زمن
اے میرؔ و غالبؔ کے وطن
مہکا ترے ماحول میں رنگیں تخیّل کا چمن

رنگیں تخیل کے جہاں　　او نگارِ ہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

ایران سے آیا یہاں　　علم و ہنر کا کارواں
شعر و سخن کا رازداں
چمکا گیا تیری فضا　　دمکا گیا تیرا جہاں
اے اہلِ دل کے آستاں　　او نگارِ ہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

وہ عرفی شیریں زباں　　وہ فیضیِ جادو بیاں
وہ مشہدیِ نکتہ داں
سرمد، کلیم و آملی　　سب شاعرانِ دُرفشاں
تیرے ہی گنجِ شائیگاں　　او نگارِ ہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

اللہ رے تیری آستیں　　ہیرے کہیں موتی کہیں

ہر گام پر لاکھوں نگیں

اے گولکنڈے کے جہاں اے لال قلعے کی زمیں
اے دولتوں کے آسماں اونچا رہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

جنّت کی اک تصویر ہے یا تاج کی تعمیر ہے
اک موجۂ تنویر ہے
کس بادشاہِ فکر کے خوابوں کی یہ تعبیر ہے
حسنِ تخیّل کے جہاں اونچا رہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

بابر کی شوکت کے نشاں حیدر کی سطوت کے نشاں
ٹیپو کی صولت کے نشاں
ملتے ہیں تیری خاک پر اکبر کی عظمت کے نشاں
اے عظمتوں کی داستاں اُونچا رہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

RekhtaDownload.com

تُو اہلِ دِل اہلِ بصر تو ناقدِ ذوقِ نظر
تُو نکتہ بیں تُو دیدہ ور

تُو ہے اہنسا کا امیں تُو امن کا پیغامبر

اے حاملِ امن و اماں اُونچا رہے تیرا نشاں
اے کشورِ ہندوستاں

RekhtaDownload.com

بابری مسجد

۶؍ دسمبر کو میں جموں سے دہلی روانہ ہوا۔ دوسرے دن، ۷؍ دسمبر کو اُردو یونی ورسٹی کمیٹی کی میٹنگ میں شرکت کے لیے شام کا سفر تھا۔ طیارے میں ایک ہمسفر نے بتایا کہ بابری مسجد کے ایک گنبد کو گرا دیا گیا ہے۔ میں نے کہا کہ آج دوپہر تک یعنی میری روانگی کے وقت تک تو ایسی کوئی خبر نہیں تھی۔ اس نے کہا بی بی سی نے اطلاع دی ہے۔ میں درد و غم کے طوفان میں ڈوب گیا اور اُسی وقت ایک نظم کی ابتدا ہوئی۔ صرف ابتدا کے تین بند ہوئے تھے کہ طیارہ دہلی پہنچ گیا۔ جب میں دہلی اپنی قیام گاہ یعنی بیٹے کے گھر پہنچا تو بیٹے اور بہو نے بتایا کہ ساری مسجد منہدم کر دی گئی ہے۔ نظم کا باقی حصہ اس اطلاع کے بعد مکمل ہوا۔ اس لیے یہ نظم دو الگ الگ حصوں میں منقسم ہو گئی ہے۔ (آزاد)

یہ تُو نے ہند کی حُرمت کے آئینے کو توڑا ہے
خبر بھی ہے تجھے مسجد کا گنبد توڑنے والے
ہمارے دل کو توڑا ہے عمارت کو نہیں توڑا
خباثت کی بھی حد ہوتی ہے اے حد توڑنے والے

ترے اس فعل سے اسلام کا تو کچھ نہیں بگڑا
مگر گھونپا ہے خنجر تُو نے ہندو دھرم کے دِل میں
اِدھر ہندوستاں کا تُو نے چہرہ مسخ کر ڈالا
اُدھر بوئے ہیں کانٹے تُو نے اس کی راہِ منزل میں

تجھے کچھ بھی خبر اس کی نہیں اے بدنصیب انساں
کہ ہندو دھرم کیا ہے اور اس کی آتما کیا ہے
نہیں ہے دھرم وہ ہرگز جسے تو دھرم کہتا ہے
تجھے کیا علم کیا ہے آتما پرماتما کیا ہے

خبر کل تک بس اتنی تھی کہ گنبد ایک ٹوٹا ہے
کُھلی اب بات مسجد کا نہیں چھوڑا نشاں باقی
وہ تہذیبی تسلسل جو تھا جاری چار صدیوں سے
تُو سمجھا ہے نہ رہ پائے گی اُس کی داستاں باقی؟

مَیں اک گنبد کو روتا تھا مگر اب یہ کھُلا مجھ پر
گرا ڈالا ہے اس ساری عبادت گاہ کو تُو نے
دیا تھا اِک دلِ آگاہ تجھ کو دینے والے نے
یہ کس رستے پہ ڈالا ہے دلِ آگاہ کو تُو نے

خُدا کا گھر ہے مندر بھی خدا کا گھر ہے مسجد بھی
مُجھے تو میرے ہندُو دھرم نے بس یہ سکھایا ہے
نہیں ہے دھرم ہرگز وہ فقط اندھی سیاست ہے
تُجھے تیرا یہ درسِ شیطنت تجھ کو پڑھایا ہے

مروّت جس کو کہتے ہیں مُودّت جس کو کہتے ہیں
یہ مسجد اُس مروّت اُس مُودّت کی علامت تھی
اِسی کے ساتھ تُو ایک اپنا مندر بھی بنا لیتا
وُہی تیرا بڑا پن تھا، وہی تیری کرامت تھی

Rekhta.com

خدا کے گھر کو جب تو منہدم کرنے کو نکلا تھا
خدا جانے ترے دل میں خیالِ خام کیا ہوگا
مکافاتِ عمل کہتے ہیں جس کو اک حقیقت ہے
شقی القلب کیا کہیے ترا انجام کیا ہوگا

یہ مسجد آج بھی زندہ ہے اہلِ دل کے سینوں میں
خبر بھی ہے تجھے مسجد کا پیکر توڑنے والے
ابھی یہ سرزمیں خالی نہیں ہے نیک بندوں سے
ابھی موجود ہیں ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے

RekhtaDownload.com

بابری مسجد

تُونے اے آزاد! ساری عُمر جو کچھ بھی کہا
تُونے اے آزاد! ساری عُمر جو کچھ بھی لکھا
احمقوں نے ایک پَل میں کر دیا برباد اُسے

تُو تو کہتا تھا کہ ظُلمت رات کی جانے کو ہے
تُو تو کہتا تھا وطن میں صُبحِ نَو آنے کو ہے
کیا یہی وہ صُبحِ نو ہے

جس پہ تجھ کو ناز تھا، جس پر رہا تجھ کو غرور
دیکھ آئینہ تری تہذیب کا ہے چُور چُور

RekhtaDownload.com

اِقبال

حریمِ شعر میں جو شمعِ حالی نے جلائی تھی
اُسے اِک روز مشرق کا اُجالا کر دیا تُو نے
"پیامِ آدمیت احترامِ آدمی"[1] دے کر
ادب میں آدمی کا بول بالا کر دیا تُو نے

---

[1] آدمیت احترامِ آدمی
باخبر شو از مقامِ آدمی (جاوید نامہ)

RekhtaDownload.com

ترے افکار پر ایمان لائیں یا نہ لائیں ہم
ترے افکار کی عظمت سے منکر ہو نہیں سکتے

جو دولت فکر کی اذہان کو تُو نے عطا کی ہے
نئے اذہان اُس دولت سے منکر ہو نہیں سکتے

○

قمر سے مُشتری تک، مُشتری سے آں سُوئے گردوں
کیا اِس گرم جوشی سے ستاروں کا سفر تُو نے
کہ اپنی فکر سے اِس خاک کی تقدیر چمکا دی
کیا ذرّوں کو نُورِ آگہی سے باخبر تُو نے

RekhtaDownload.com

ملاقاتیں وہ تیری بھرتری سے اور شوجی سے[1]
ترے نغمے سے کھلتا ہے کہ اوجِ زندگی کیا ہے
اگر ہوتا مصنّف "کامڈی" کا اس زمانے میں
تو اس کو تو یہ سمجھاتا مقامِ آدمی کیا ہے[2]

---

[1] [2] اِس بند میں دو ایک اُمور وضاحت طلب ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ دوسرے شعر کا تاثر اقبال کے اِس شعر سے پیدا ہوا ہے۔

اگر ہوتا وہ مجذوبِ فرنگی اِس زمانے میں   تو اقبال اُس کو سمجھاتا مقامِ کبریا کیا ہے

اقبال نے یہ شعر نطشے کے بارے میں کہا ہے۔ میں نے اپنے شعر میں دانتے کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی وضاحت سے قبل ایک اہم بات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ "جاوید نامہ" میں اقبال رومی کی رہنمائی میں جب فلکِ قمر پر پہنچتے ہیں تو اُن کی ملاقات ایک عارفِ ہندی سے ہوتی ہے۔ اقبال نے اس میں "عارفِ ہندی" کے متعلق عنوان میں یہ لکھا ہے کہ "اہلِ ہند اُو را جہاں دوست می گویند" مترجمین و شارحینِ کلامِ اقبال نے "جہاں دوست" کا بالکل سامنے کا ترجمہ کر کے اس کے معنی "وشوامتر" لکھ دیے ہیں حالاں کہ اس عنوان کے تحت اقبال کا شعر:

موی بر سر بستہ و عریاں بدن   گردِ او مارے سفیدے حلقہ زن

اور پھر ملاقات کا فلکِ قمر میں ہونا اِس بات کی بہت بڑی دلیلیں ہیں کہ "جہاں دوست" سے مراد وشوامتر نہیں بلکہ شوجی مہاراج ہیں۔

پھر کہنا میں یہ چاہتا ہوں کہ "ڈیوائن کامڈی" کے مصنف کی عالمِ ستارگاں میں عظیم غیر عیسائی شخصیتوں سے اور اقبال کی عظیم غیر مسلمان شخصیتوں سے ملاقاتوں میں ایک فرق نظر آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ "ڈیوائن کامڈی" کے مصنف نے اکثر و بیشتر غیر عیسائیوں کا ذکر توہین آمیز طریقے سے کیا ہے اور جو شخصیت جتنی بڑی نظر آئی ہے اُس کا ذکر اتنی ہی نفرت اور حقارت سے کیا ہے۔ اس کے خلاف اقبال نے غیر مسلم اکابر کا ذکر کرتے ہوئے اپنی عقیدت اور محبت کے وہ پھول نچھاور کیے ہیں جن کی خوشبو سے عالمِ انسانیت مہکتا رہے گا۔ ان اکابر میں شوجی مہاراج اور راجا بھرتری ہری کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

(آزاد)

ترے افکارِ عالی میں ہے غلطاں دردِ انسانی
ترے نغمات میں ارضِ جہاں کا دِل دھڑکتا ہے
تجھے جو ہِند سے بیگانہ سمجھیں اُن سے کیا کہیے
کہ تیرے شعر میں ہِندوستاں کا دِل دھڑکتا ہے

جگایا اس طرح تیری نوا نے ارضِ مشرق کو
کہ مشرق کا ہر اہلِ نوا ممنُون ہے تیرا
غلط ہے یہ کہ تُو ہے محض ہِند و پاک کا محسن
یہ ہِند و پاک کیا کُل ایشیا ممنُون ہے تیرا

RekhtaDownload.com

ترے افکار کی دُنیا کا میں بھی اک مسافر ہوں
ترے "اسرار" سے پہنچا ہوں تیری "ارمغاں" تک میں
جو کوئی اِس سفر کی داستاں پُوچھے تو بتلا دُوں
کہ چل کر چاند سے آیا ہوں مہرِ خاوراں تک میں

○

ترے افکار کیا ہیں اک نظامِ شمس ہے گویا
بشر کی فکر کے سب اس کی تابانی سے روشن ہیں
تغزّل کی، سخن کی، جذبۂ دل کی، سوزِ پنہاں کی
یہ سب دُنیا میں تیرے شعرِ نورانی سے روشن ہیں

(۲۶ جنوری ۱۹۵۸ء)

نوائے پریشاں

جگن ناتھ آزاد نے غیر معمولی ذہنی کرب اور کشمکش کو جوان کے خیالات میں عدم توازن اور کجروی کا سبب بن سکتے تھے۔ اپنی شعوری کوششوں سے ارتقاع کی اس منزل پر پہنچایا ہے جہاں آنکھیں کھل جاتی ہیں اور انسان اپنے دکھ درد ، محرومیوں اور ناکامیوں، آرزوؤں اور خواہشوں کو ایک وسیع تر دائرے میں اور ایک بلند تر افق میں دیکھنے لگتا ہے۔ اس کے اندر کا بنیادی صحت مند جذبہ وقتی ہیجانات اور دل شکن افکار پر حاوی ہو جاتا ہے یہاں انسان کی شعوری کوشش کی فتح ہوتی ہے اور وہ بہت سے اس زہر کو پی کر اپنے ہی اندر فنا کر لیتا ہے جن کی تلخی اور سمیت نے دوسروں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ جگن ناتھ آزاد کی شاعری کا بڑا مقصد اس اجمال کی تفصیل ہے۔ انھوں نے کرب کے اندر سے سکون اور یاس کے اندر سے رجائیت نفرت کے اندر سے محبت اور جذبے کے اندر سے ادراک پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

احتشام حسین

اقبال اور اس کا عہد

مولانا عبدالماجد دریابادی

جگن ناتھ آزاد شاعر ہی اچھے نہیں بلکہ نثر کے بھی اچھے اور سلجھے ہوئے لکھنے والوں میں ہیں۔ کچھ روز ہوئے جموں و کشمیر یونی ورسٹی کی فرمائش پر انھوں نے تین لکچر ان عنوانوں پر تیار کیے تھے۔

(۱) شعر اقبال کا پس منظر

(۲) اقبال کے کلام کا صوفیانہ لب و لہجہ

(۳) اقبال اور اس کا عہد

اور اب یہ کتابی صورت میں یکجا شائع ہوئے ہیں اور شعر، ادب، نقد و نظر، اسلامیات سب کے سب طلبہ کے پڑھنے کے قابل ہیں۔ سلیس، شگفتہ انداز میں باتیں خوب پتے کی کہہ گئے ہیں اور حقیقت تصوف وغیرہ کے سلسلے میں باتوں باتوں میں تو جا بجا ایسے نکتے بیان کر گئے ہیں جو کسی غیر مسلم کیا معنی مسلم فاضلوں کے لیے بھی باعثِ فخر ہو سکتے ہیں۔

"صدق جدید" لکھنؤ

علامہ نیاز فتحپوری

جگن ناتھ آزاد نہ صرف شاعر بلکہ نقاد کی حیثیت سے بھی اپنا خاص مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے اردو شعر و سخن کا بڑا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اقبال کا جو ابتدا ہی سے ان کا محبوب شاعر رہا ہے۔

یوں تو موضوع کے لحاظ سے یہ تینوں مضامین ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ لیکن جس حد تک اقبال کا تعلق ہے ان سب میں بڑا گہرا ربط پایا جاتا ہے اور تینوں مقالے ایک دوسرے کا تتمہ نظر آتے ہیں۔

جناب آزاد والہانہ حد تک اقبال کے مداح ہیں۔ لیکن ان مضامین میں ان کی شیفتگی نے کسی جگہ غیر منطقی شیفتگی کی صورت اختیار نہیں کی اور یہی سب سے بڑی خصوصیت اس کتاب کی ہے۔ اقبال پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جناب آزاد نے جو کچھ ان مضامین میں لکھا ہے، وہ دوسروں کے خیال و استدلال کی تکرار نہیں ہے بلکہ ان میں ایک اضافہ ہے اور بڑا مستحسن اضافہ۔

"نگار" لکھنؤ

RekhtaDownload.com